



احب الکلام فی مسئلۃ السلام

پیشکش

حبیب الامت، عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وصدر مفتی)

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور

اعظم گڈھ یوپی انڈیا

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ و حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ **دار العلوم** مہذب پور پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی (انڈیا)

قال النبی ﷺ إن أولی الناس باللہ من بدأ بالسلام

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

اللہ کے نزدیک سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں ابتداء کرے

احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(اس میں اسلام کے فضائل و مسائل، اور خط و کتابت کا نبوی طریقہ، مزاج پرسی، چھینک و جمائی، مصافحہ، معانقہ، دست بوسی، قیام جیسے اہم مضامین تفصیل کے ساتھ انتہائی سہل انداز میں مکمل و مدلل بیان کئے گئے ہیں)

بقلم:

حبیب الامت، عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ناشر

مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور

پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: احب الکلام فی مسئلۃ السلام

مصنف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات: ۱۳۴

تعداد اشاعت: ۱۱۰۰

قیمت: ۶۵/روپے

ناشر: مکتبۃ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

۱- مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

۲- مکتبۃ الحبیب خانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

۳- مکتبۃ الحبیب و خانقاہ حبیب جھٹکاہی ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن

۴- مکتبہ طیّبہ دیوبند، سہارنپور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

سبب تالیف

چند سال قبل کی بات ہے میرے ایک مخلص دوست بیٹھے ہوئے اسلامی معاشرہ کا ایک سرسری جائزہ لے رہے تھے اسی کے ساتھ یہ جز بھی خاص طور پر پیش نظر تھا کہ کوئی ایسی سنت تلاش کی جائے جو ہلکی ہو لیکن ہر وقت اس کی ضرورت پڑتی ہو، چنانچہ سلام ایسی سنت ملی جو کثیر الاستعمال اور موجب خیرات وبرکات ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں اور ہمارے نوجوان نئی تہذیب سے متاثر بھائیوں نے اس سنت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، اس لئے کہ سلام کے بجائے انگریزی الفاظ کے استعمال کو باعث فخر سمجھتے ہیں، اور شاید کبھی اس کا احساس بھی نہ ہوتا ہوگا کہ اس کی وجہ سے ہم کہاں سے کہاں جا رہے ہیں، آج ہمارے زوال کے جہاں بہت سے اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم غیروں کے معاشرہ سے اتنا زیادہ متاثر ہو چکے ہیں کہ ہماری زندگیوں سے سنن کیا بہت سے فرائض وشعائر نکل چکے ہیں لیکن ہمیں اتنی فرصت نہیں کہ اس پر ہم غور کریں اور طریق مصطفیٰ کو اپنائیں۔

بہر حال ناکارہ نے ذہنی طور پر یہ طے کر لیا کہ سلام کے فضائل ومسائل کو یکجا طور پر جمع کرنا ہے تاکہ سلام کی اہمیت دلوں میں پیدا ہو اور اس کے فضائل ومسائل سے بھی پورے طور پر واقفیت حاصل ہو جائے، چنانچہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا اور جب فضائل کے بعد مسائل پر پہنچا تو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سی گتھیاں

ایسی آئیں کہ ان کا سلجھانا مشکل ہوگیا، لیکن بحمد اللہ اللہ کے فضل وکرم اور اپنے اکابرین کی دعاء وتوجہ سے تقریباً دو سال میں اس کی تکمیل ہوگئی۔

اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس کا تذکرہ نہ کروں کہ ناکارہ کے محسن وکرم فرما مرشدی ومولائی حضرت مولانا الشاہ عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ مہتمم مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور کی عنایت وتوجہ سے ناکارہ کی محنت کتابی شکل میں آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے، نیز اپنے مصروف اوقات میں سے کچھ وقت فارغ فرما کر اس کو سنا اور پسند فرمایا۔

اخیر میں اپنی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور اخروی نجات کا ذریعہ بنائے، اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یلوح الخط فی القرطاس دھراً
وکاتبہ رمیم فی التراب

فقط

العبد حبیب اللہ القاسمی

۹/ذی قعدہ یوم چہارشنبہ ۱۴۰۴ھ

تعارفی کلمات

بقلم حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہ

بانی مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور

حضور پاک ﷺ کی ہر ایک سنت اس قابل ہے کہ اس کو اپنایا جائے اور دوسروں تک پہنچایا جائے، اس لئے کہ کسی سنت پر خود عمل کرنا جس طرح احیاء سنت ہے اسی طرح اس کی نشرواشاعت بھی احیاء سنت میں داخل ہے، ہر زمانہ میں اپنے اپنے انداز سے علماء کرام نے ترویج سنت کی کوشش کی اور لوگوں کے سامنے صحیح رُخ پیش کرنے کی سعی کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیز گرامی قدر مفتی حبیب اللہ صاحب سلمہ کو کہ انھوں نے سلام جس کی ضرورت ہر وقت پیش آتی ہے اس کے فضائل ومسائل کو انتہائی عرق ریزی اور کاوش پیہم کے بعد کتابی شکل میں جمع کر کے لوگوں کے لئے سہولت اور علماء کرام کے لئے مواد فراہم کردیا، میں نے از اول تا آخر اس کو سنا ان کی یہ سعی قابل قدر ہے امید کہ قارئین بھی اس کو پسند فرمائیں گے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور صاحب کتاب کے لئے ذریعۂ نجات وترقی دارین بنائے، اور عامۃ المسلمین کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سلام کے متعلق قرآنی تذکرہ

آیت نمبر (۱):

"وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها إن الله كان على كل شئی حسيباً" (سورہ نساء)۔

(اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو بلا شبہ اللہ تعالی ہر چیز پر حساب لیں گے) (بیان القرآن ۵۶/۵)۔

اور جب تم کو کوئی مشروع طور پر سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو۔ یعنی جواب دو یا جواب میں ویسے ہی الفاظ کہہ دو تم کو دونوں اختیار دیئے جاتے ہیں۔ بلا شبہ اللہ تعالی ہر چیز پر یعنی ہر عمل پر حساب لیں گے یعنی ان کا قانون یہی ہے اور یوں اپنے فضل سے معاف کر دیں وہ اور بات ہے۔

خداوند قدوس نے اس آیت کریمہ میں سلام اور اس کے جواب کے آداب بیان فرمائے ہیں، اس آیت میں ایک لفظ "تحیۃ" آیا ہے مقصود کی طرف رجوع کرنے سے قبل اس کی توضیح ضروری ہے تاکہ آنے والے مضامین کے سمجھنے میں کوئی تردد نہ ہو۔

"تحیہ" کے لفظی معنی کسی کو حیاک اللہ کہنا یعنی خداوند قدوس آپ کو زندہ رکھے۔ حضور پاک ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب ایک کی

دوسرے سے ملاقات ہوتی تو ''حیاک اللہ'' یا ''أنعم اللہ بک عینا'' یا ''أنعم صباحاً'' وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، لیکن حضور پرنور ﷺ کی بعثت کے بعد عربوں کے سلام کے قدیم الفاظ کو بدل کر اس کی جگہ ''السلام علیکم '' کہنے کا طریقہ جاری کیا گیا، جس کے معنی یہ ہیں ''تم ہر تکلیف اور رنج ومصیبت سے سلامت رہو''۔

علامہ ابن العربی احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ سلام اللہ تعالی کے اسماء حسنٰی میں سے ہے اور ''السلام علیکم'' کے معنی ہیں ''اللہ رقیب علیکم''یعنی اللہ تعالی تمہارا محافظ ہے۔

سلام محمدی دیگر تمام اقوام کے سلام سے افضل ہے:

صاحب معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس کی موانست اور اظہار محبت کے لئے کہیں لیکن اگر موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا اسلام اتنا جامع نہیں، کیونکہ اس میں صرف اظہارِ محبت ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالی سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات وآلام سے سلامت رکھے، پھر دعاء بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں بلکہ حیات طیبہ کی دعاء ہے یعنی تمام آفات وآلام سے محفوظ رہنے کی، اسی کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ تم اور ہم سب

اللہ تعالی کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس کے اذن کے نہیں پہنچا سکتا، اس معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اور اپنے مسلمان بھائی کو خدا کی یاد دلانے کا ایک ذریعہ بھی، اسی کے ساتھ اگر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالی سے یہ دعا مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات وتکالیف سے محفوظ فرمادے تو اس کے ضمن میں وہ گویا یہ وعدہ بھی کررہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو، تمہاری جان، مال، آبرو کا میں محافظ ہوں۔

ابن العربی نے احکام القرآن میں ابن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے "أتدری ما السلام؟ یقول أنت آمن منی" یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون رہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک ہمہ گیر جامعیت رکھتا ہے۔

(۱) اللہ جل شانہ کا ذکر (۲) تذکیر (۳) اپنے مسلمان بھائی سے اظہار تعلق ومحبت (۴) اس کے لئے بہترین دعاء (۵) اور اس سے یہ معاہدہ کہ میرے ہاتھ اور زبان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی جیسا کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "قال إن رجلاً سئل النبی ﷺ أی المسلمین خیر قال من سلم المسلمون من لسانه ویده" (مشکوۃ ۱۲/۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں کون سب سے اچھا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان مامون ومحفوظ رہیں۔

کاش آج کے مسلمان اس کلمہ کو عام لوگوں کی رسم ورواج کی طرح نہ ادا کرتے بلکہ اس حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرتے تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی ایک جملہ کافی ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ترویج سلام کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا ہے اور اس کے فضائل وبرکات اور اجر وثواب کو بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے چنانچہ عنقریب وہ روایتیں نذر قارئین کی جائیں گی۔

مذکورہ آیت کریمہ میں یہ حکم ہے کہ سلام کا جواب بہتر الفاظ میں دو یا کم از کم اس کے مثل کے ساتھ دو، یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ قرآن پاک کی حیثیت متن کی ہے اور حضور پاک ﷺ کی زندگی اس کے لئے شارح ہے، اور آپ نے پوری زندگی شارحانہ انداز میں گزاری کوئی آیت کوئی حکم ایسا نہیں جس کی توضیح آپ نے نہ کی ہو، چنانچہ اس آیت کریمہ کی بھی آپ نے تشریح فرمائی اور عمل کرکے امت کے لئے لائحہ عمل بنادیا۔ چنانچہ ابن جریر وابن ابی حاتم نے مختلف سندوں سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا "**السلام علیک یا رسول اللہ**" آپ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا "**وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ**" پھر ایک صاحب آئے اور انہوں نے بایں الفاظ سلام کیا "**السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ**" آپ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا "**وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**" پھر ایک اور صاحب آئے، اور انہوں نے سلام ہی میں تینوں کلمے کہہ دیئے "**السلام علیک یا رسول اللہ**

ورحمة الله وبركاته" آپ نے جواب میں صرف ایک کلمہ "وعلیک" ارشاد فرمایا ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے جو حضرات آئے آپ نے ان کے جواب میں کئی کلمات دعا کے ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے "وعلیک" پر اکتفاء فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اس کا اضافہ کرتے، تم نے سارے کلمات اپنے سلام ہی میں جمع کر دیئے اس لئے ہم نے قرآنی تعلیم کے مطابق تمہارے سلام کا جواب بالمثل دینے پر اکتفاء کرلیا (معارف القرآن ۲/۵۰۳)۔

اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب اس سے اچھے الفاظ میں دینے کا جو حکم آیت مذکورہ میں آیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سلام کرنے والے کے الفاظ سے بڑھا کر جواب دیا جائے، مثلاً اس نے کہا "السلام علیکم" تو آپ بایں الفاظ جواب دیں "وعلیکم السلام ورحمة الله" اور اگر اس نے کہا "السلام علیکم ورحمة الله" تو آپ جواب میں کہیں "وعلیکم السلام ورحمة الله وبركاته"۔

آیت نمبر (۲):

"فإذا دخلتم بيوتاً فسلموا على أنفسكم تحية من عند الله مباركة طيبه" الآیہ (سورہ نور: ۱۴)۔

ترجمہ مع تشریح:

جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو مسلمان ہوں اُن کو) سلام کیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے اور (بوجہ اس پر ثواب ملنے کے) برکت والی (اور بوجہ مخاطب کا دل خوش کرنے کے) عمدہ چیز ہے (بیان القرآن)۔

اس آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے ایک خاص وقت کے خاص حکم کو بیان فرمایا ہے جس کا تعلق ادب سے ہے، وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی مکان میں داخل ہو خواہ وہ اپنا مکان ہو یا غیر کا (لیکن غیر کے مکان میں داخل ہونے کے لئے اجازت ضروری ہو) تو سلام کرلیا کرو، اس سلام کو خداوند قدوس نے من عند اللہ فرما کر اپنی طرف منسوب کیا کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر ہے، نیز خداوند قدوس نے اس کو برکت اور عمدہ چیز قرار دی۔ کاش ہمارے مسلمان بھائی اس پر عمل پیرا رہتے اور اس کے ذریعہ اپنے گھروں میں خیر و برکت جمع کرنے کی سعی کیا کرتے۔

امام ترمذی نے حضرت انسؓ سے حضور پاک ﷺ کی ایک روایت نقل کی ہے:

"قال لی النبی ﷺ یا بنیّ إذا دخلت علی أھلک فسلم یکن سلامک برکة علیک وعلی أھل بیتک" (ترمذی شریف؛ مشکوۃ شریف ۳۹۹/۲، درر فرائد ۹/۴)۔

(حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹا جب اپنے گھر والوں کے پاس پہنچا کرو تو سلام کیا کرو تمہارا سلام تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے موجبِ خیر و برکت ہوگا)۔

اس حدیث پاک سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ سلام صرف بیگانوں اور دیر کے بعد ملنے والوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ بیوی بچوں کو بھی سلام کرنا چاہئے اور جب جب داخل ہو سلام کرنا چاہئے، اس لئے کہ سلام کو حضور نے موجب برکت قرار دیا۔

لیکن افسوس کہ آج ہم سب برکت کے فقدان پر سرگرداں وحیران تو نظر آتے ہیں، اور اس کی تحصیل کے لئے تعویذ والوں کے پاس جا کر برکت کی تعویذ حاصل کرنے کی تو کوشش کرتے ہیں لیکن حضور پاک ﷺ کی سنت کی تلاش نہیں ہوتی، اسے معلوم کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے، جبکہ حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے علاج وطریقہ سے بڑھ کر کسی کا فرمان نہیں ہوسکتا۔

اسی سنت (سلامِ دخول) کے ترک کی نحوست ہے کہ آج ہمارے گھروں میں آئے دن قسم قسم کی ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں، اور ہم معاشی تنگی میں مبتلا رہتے ہیں، ہر چیز میں بے برکتی محسوس ہوتی ہے، کاش ہم اپنا معمول بدل لیں، اور اس کا اہتمام شروع کردیں کہ گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کریں کہ گھر والوں کو سلام کریں۔ پھر دیکھیں انشاء اللہ کیسی برکت ہوتی ہے، اور زندگی کس انداز کی گزرتی ہے۔ آج کا نوجوان طبقہ تو خاص طور پر خارجی فضا سے اتنا متاثر ہوکر گھر میں جاتا ہے

کہ پہلا لفظ یا تو کسی گالی کا ہوگا، یا کسی گانے کی آواز سنائی دے گی، یا کوئی بات شروع کردے گا غرضیکہ سلام کا اہتمام بالکل دلوں سے نکل چکا ہے، حالانکہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

"السلام قبل السلام" (ترمذی شریف؛ جمع الفوائد ۴/۹)۔

(سلام کلام سے پہلے ہے)۔

بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے بات شروع کردے اس کی بات کا جواب نہ دو۔

"قال النبی ﷺ من تکلم قبل السلام فلا تجیبوہ"

(درۃ الناصحین/۵۹)۔

(نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص سلام سے پہلے گفتگو شروع کردے اس کا جواب نہ دو)۔

لیکن انتہائی قلق کے ساتھ اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ آج کسی کے بھی ذہن میں یہ بات نہیں آتی، حالانکہ مصائب ومضائق میں گرفتاری کی وجہ یہی ہے کہ سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام ختم ہوگیا۔ اگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ان حضرات کی پوری زندگی اتباع سنت کے دامن میں چھپی ہوئی نظر آئے گی، اس وقت ہر ہر فرد تلاش کرکے اتباع سنت کی کوشش کرتا۔

ذرا غور تو فرمائیں! صرف ایک صحابی کا عمل پیش ہے اس سے ہم اپنے اعمال کا موازنہ کرکے تجزیہ کریں، حضرت طفیل بن ابی بن کعب حضرت ابن عمرؓ کے پاس

آتے ،اوران کے ساتھ صبح سویرے بازار جایا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ جب ہم چلتے تو ابوعبداللہ (ابن عمر) جس کباڑی یادوکاندار یامسکین کے پاس سے گذرتے اس کوسلام ضرور کرتے، ایک دن میں ان کے پاس آیاتو انہوں نے بازار جانے کے لئے مجھے اپنے ساتھ لیا، میں نے عرض کیا کہ بازار جا کرکیا کیجئے گا نہ تو آپ کسی دوکان پر ٹھہریں، نہ کسی سودے کو دریافت کریں، نہ نرخ پوچھیں، نہ بازاری جلسوں میں بیٹھیں، (پھر بازار جانے سے کیا حاصل کیا فائدہ) یہیں بیٹھئے کہ باتیں کریں گے، ابن عمرؓ نے فرمایا اے ابوالبطن (کان الطفیل ذابطن) ہم تو صرف سلام کی غرض سے جایا کرتے ہیں، کہ جس سے ملیں اس کوسلام کریں (موطا امام مالک؛مشکوۃ شریف ۲/۴۰۰،درر فرائد ۱۰/۴)۔

یہ ہیں حضرات صحابۂ کرام کہ شر البقاع کو بھی جالب اجر وثواب بنا دیتے تھے،ذراغور فرمائیں!ثواب کے ذخیرہ اندوزی کا کس قدر اہتمام تھا کہ بازاروں میں جاجا کر مجمع وافراد تلاش کرکر کے سلام کرتے اس لئے کہ ان حضرات کو معلوم تھا کہ صرف "السلام علیکم " پر دس نیکی ملتی ہے اور اس طریقہ سے بغیر سرمایہ وپونجی لگائے لاکھوں کا نفع حاصل کر کے فائز المرام واپس ہوتے۔

اور ہمارا یہ حال ہے کہ گھر میں مسلمان والدین، بھائی، بہن، بیوی، بچے موجود ہیں، بغیر کسی محنت کے ہم ثواب حاصل کر سکتے ہیں اس کے باوجود اتنی بڑی نعمت سے ہم محروم ہیں۔

بہر حال اپنا گھر ہو یا کسی غیر کا سلام ہر ایک کے لئے باعث برکت ہے،

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے اسی ادب کو بیان فرمایا ہے۔

اور اگر گھر بالکل خالی ہو کوئی شخص اس میں نہ ہو پھر بھی سلام کر کے داخل ہونا چاہئے، اس وقت کے الفاظ سلام یہ ہیں: "**السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین**" (مؤطا امام مالک مع تنویر الحوالک ۱۳۴/۳؛ جامع السلام)۔

تنبیہ:

دوسروں کے گھر میں جانے کے لئے سلام کے ساتھ اجازت بھی شرط ہے، چنانچہ ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت کلدہ بن حنبلؓ ہیں وہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن امیہؓ نے کچھ دودھ یا کھیس اور ککڑی دیکر ان کو بالائے مکہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضرت کلدہ بن حنبل کہتے ہیں کہ میں آپ (ﷺ) کے پاس چلا گیا مگر نہ سلام کیا اور نہ اجازت لی پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا باہر جاؤ اور اس طرح کہو "**السلام علیکم**" کیا اندر آجاؤں؟ (مشکوۃ شریف ۴۰۱/۲)۔

"**عن كلدة بن حنبل أن صفوان بن أمية بعث بلبن أو جداية وضغابيس إلى النبی ﷺ والنبی ﷺ بأعلى الوادى قال فدخلت عليه ولم أسلم ولم أستأذن فقال النبی ﷺ ارجع فقل السلام عليكم أأدخل**" (رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوۃ ۴۰۱/۲، درر فرائد ۹/۴)۔

یہ تھی حضور پاک ﷺ کی تعلیم چنانچہ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے

دکھلا دیا۔

”عن أبی سعید الخدری قال أتانا أبو موسی قال إن عمر أرسل إلی أن آتیه فأتیت بابه فسلّمت سلاماً فلم یردّ علیّ فرجعت فقال ما منعک إن تأتینا فقلت إنی أتیت فسلّمت علی بابک ثلاثاً فلم ترد علیّ فرجعت وقد قال لی رسول اللهﷺ إذا استأذن أحدکم ثلاثاً فلم یؤذن له فلیرجع فقال عمر أقم علیه البینة قال أبو سعید فقمت معه فذهبت إلی عمر فشهدت“ (متفق علیہ؛مشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت ابوموسی تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت عمر نے پیغام بھجوایا تھا کہ میں ان کے پاس آجاؤں چنانچہ اس کے بعد میں ان کے دروازہ پر حاضر ہوا اور تین مرتبہ سلام کیا جب جواب نہیں ملا تو میں لوٹ آیا اس کے بعد حضرت عمر سے ملاقات ہوئی انہوں نے دریافت کیا کہ کس چیز نے ہمارے پاس آنے سے تم کو روکدیا میں نے کہا میں حاضر ہوا اور آپ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر تین مرتبہ سلام کیا جب جواب نہیں ملا تو واپس آ گیا اس لئے کہ حضور پاکﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تم میں کوئی تین مرتبہ اجازت لے اور اس کو اجازت نہ ملے (یعنی اندر سے کوئی جواب نہ آئے) تو اس کو چاہئے کہ لوٹ جائے اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ (جو بات تم پیش کررہے ہو) اس پر بینہ لاؤ، ابوسعید (خدری) فرماتے ہیں کہ میں ابوموسی کے ساتھ کھڑا ہوا اور حضرت عمر کے پاس جا کر شہادت دی) (بخاری ومسلم)۔

آج اس مسئلہ میں بھی انتہائی غفلت برتی جارہی ہے، یہ حکم جس طرح اس مکان کا ہے جس میں اہل وعیال ہوں اسی طرح اس مکان کا بھی یہی حکم ہے جس میں تنہا شیخ، یا کوئی استاذ، یا کوئی اور رہتا ہو، لیکن عوام تو عوام ہمارے مدارس کے طلباء عزیز کا بھی آج کل عجیب حال ہوگیا ہے کہ بلا اجازت وسلام اکثر اساتذہ کے کمرہ میں داخل ہوجاتے ہیں، اور اگر سلام کرلیا تو اجازت نہ لینے کے مرض میں اکثر مبتلا ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک صحابی تین مرتبہ سلام کرتے ہیں، سلام کا جواب نہ ملنے پر واپس ہوجاتے ہیں اور دوسرے صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں بغیر سلام کئے حاضر ہوتے ہیں تو واپس کردیئے جاتے ہیں لیکن ان کوکوئی ناگواری نہیں ہوتی۔

اور آج اگر تادیباً کسی کو واپس کردیا جاتا ہے تو فوراً خفگی کے آثار چہرے پر نمایاں ہوجاتے ہیں، اور اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لا يؤذن للمستأذن حتى يبدأ بالسلام للأوسط" (جمع الفوائد ۱۷/۴)۔

(اندر آنے کی اجازت لینے والے کو اس وقت تک اجازت نہ دی جائے جب تک کہ وہ پہلے سلام نہ کرے)۔

اسی طرح بیہقی نے حضرت جابرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جو مضمون بالا کی مؤید ہے۔ "لا تأذنوا لمن لم يبدأ بالسلام" جو ابتداء بالسلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو (مشکوۃ شریف ۴۰۱/۲)۔

اللهم وفقنا اتباع سنة نبيك واجتناب طريق غيرك۔

آیت نمبر (۳):

"تحیتھم یوم یلقونہ سلام" (سورہ احزاب)۔

(ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ خود ان سے ارشاد فرماویگا) "السلام علیکم" (کہ اولاً خود سلام ہی علامت اعزاز کی ہے، پھر جبکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو)۔

اس آیت کریمہ میں بھی تحیہ اور سلام دونوں کا تذکرہ ہے جو کہ موضوع سخن ہے، مؤمنین کے ساتھ خداوند قدوس کا اعزاز دو قسم کا ہوگا ایک روحانی دوسرے جسمانی روحانی اعزاز وانعام کو خداوند قدوس نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ یوم لقاء (ملاقات کے دن) خود خداوند قدوس مؤمنین کو سلام کریں گے۔

ایک بات یہاں پر خاص طور سے قابل تشریح ہے کہ یوم لقاء سے کیا مراد ہے حضرات مفسرین کے تین اقوال اس سلسلہ میں ملتے ہیں:

(۱) امام راغب وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے۔

(۲) دیگر بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جنت میں داخلہ کا وقت ہے۔

(۳) اور بعض ائمہ تفسیر کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد موت کا دن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے اسی آخری قول کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب کسی مؤمن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اول اس کو یہ

پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے، اگر چہ لفظ لقاء تینوں کو شامل ہے اور تینوں حالتوں میں اس کا احتمال اور امکان ہے (روح المعانی؛ معارف القرآن ۷/۱۷۵)۔

بہرحال مؤمنین کے لئے یہ مقام کتنی مسرت کا ہے کہ خداوند قدوس خود "**السلام علیکم**" کہیں گے، کاش ہم بھی اپنی اپنی ملاقات میں اس کا خیال واہتمام کریں۔

اس آیت کریمہ سے دو باتیں بطور مسئلہ کے ثابت ہوئیں:

(۱) مسلمانوں کا باہمی تحیہ السلام علیکم ہونا چاہئے خواہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کے لئے ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کے لئے ہو۔

(۲) جب کہیں جہاں کہیں جس سے بھی ملاقات ہو خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس کو سلام کرنا چاہئے اور حتی الامکان سلام کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ:

"عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ السلام اسم من أسماء الله تعالى وضعه في الأرض فأفشوه بينكم فإن الرجل المسلم إذا مرّ بقوم فسلّم عليهم فردوا عليه كان له عليهم فضل درجة بتذكيره إياهم السلام فإن لم يردوا عليه ردّ عليه من هو خير منهم"

(حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو اس نے زمین میں اتارا ہے لہذا اس کو آپس میں خوب پھیلاؤ کیونکہ مسلمان جب کسی قوم پر گذرے گا اور

ان کو سلام کرے گا اور وہ اس کو جواب دیں گے تو اس کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ سلام کرنے والے نے ان کو سلام یاد دلایا اور اگر وہ جواب نہ دیں گے تو وہ (خداوند قدوس) جواب سلام دے گا جو ان سے بہتر اور برتر ہے)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر آدمی کو چاہئے کہ سلام کرنے میں پیش قدمی سے کام لے، دوسرے سے پہلے خود سلام کرنے کی کوشش کرے اس سے نفس سلام کے علاوہ تذکیر بالسلام کا بھی ثواب ملتا ہے۔

مگر افسوس کہ آج ہم دوسروں کے سلام کے منتظر رہتے ہیں، اور اپنی بڑائی اسی میں سمجھتے ہیں کہ دوسرا ہمیں سلام کرے اس سے جہاں کبر جیسے ام الامراض کے شکار ہوتے ہیں وہیں تذکیر بالسلام سے بھی محروم رہتے ہیں۔

"عن عبد الله عن النبی ﷺ قال البادئ بالسلام بریٔ من الکبر" (رواہ البیھقی فی شعب الایمان، مشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا سلام میں پہل کرنے والا کبر (بڑائی) سے بری ہوتا ہے) (بیہقی)۔

نیز مذکورہ بالا روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص سلام کا جواب نہ دے تو اس کا جواب خداوند قدوس خود مرحمت فرماتے ہیں، لیکن آج ہمارا مزاج یہ بن چکا ہے کہ اگر ہمارے سلام کا کوئی جواب نہ دے تو اس پر خفا ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض مرتبہ سخت سست بھی کہہ دیتے ہیں حالانکہ خوش ہونا چاہئے کہ چلو اس نے اگر جواب نہیں دیا تو کیا ہوا۔ اس کے جواب سے اچھا جواب ہم کو ملے گا، جو ہر اعتبار سے

اعلی وافضل ہے۔

آیت نمبر (۴):

"سلام قولا من رب رحیم" (سورہ یسین)۔

(ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا) (بیان القرآن)۔

اس آیت کریمہ میں بھی لفظ سلام ہے جس سے مراد وہی سلام ہے جو آپس میں ایک مسلمان دوسرے کو کرتا ہے۔

چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حق تعالی شانہ فرمائیں گے "السلام علیکم یا أهل الجنة" جنتیوں کو خداوندقدوس جہاں اور نعمتوں سے نوازیں گے، "ولهم فيها ما يشتهون" کے تحت اور جہاں تمام من پسند چیزیں عطافرمائیں گے، وہاں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی چیز سلام ہوگی کہ خود خداوندقدوس ان مؤمنین کو جو جنت میں داخل ہو جائیں گے سلام کریں گے، کتنی مسرت کی بات ہے، اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہوسکتی ہے۔

ابن ماجہ اور دار قطنی کی ایک اور روایت ہے جس سے آیت مذکورہ بالا کی مزید توضیح ہوتی ہے:

"عن جابرؓ قال قال النبی ﷺ بينما أهل الجنة فی نعيمهم إذ سطع عليهم نور فرفعوا رؤوسهم فإذا الرب تبارک وتعالى قد أشرف

عليهم من فوقهم فقال السلام عليكم يا أهل الجنة وذلك قوله تعالى سلام قولا من رب رحيم فقال فينظر إليهم وينظرون إليه فلا يلتفتون إلى شئى من النعيم ما داموا ينظرون إليه حتى يحجب عنهم ويبقى نوره وبركته في ديارهم الحديث" (أخرجه ابن ماجه وابن ابی الدنیا والدارقطنی مظہری ۹۳/۸)۔

(حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی درمیان کہ جنت والے اپنی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک ان لوگوں پر ایک نور چمکے گا پس وہ لوگ اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کے اوپر سے خداوند قدوس جھانک رہے ہیں جب جنتیوں کی توجہ خداوند قدوس کی طرف ہوجائے گی تو اللہ تعالی جنتیوں کو مخاطب کر کے سلام کریں گے "السلام عليكم يا أهل الجنة" اے جنت والوسلام ہوتم پر، اسی کو خداوند قدوس نے سلام قولا من رب رحیم میں بیان کیا ہے حضور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد یہ حال ہوگا کہ جنت والوں کو خدا دیکھ رہے ہوں گے اور جنت والے خدا کو دیکھ رہے ہوں گے جنت کی نعمتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوگی جب تک جنتی رویت باری میں مشغول ہوں گے یہاں تک کہ جنتیوں سے ساری چیزیں مستور ہوجائیں گی اور خداوند قدوس کا نور اور اس کی برکت باقی رہے گی (ابن ماجه ودارقطنی)۔

آیت نمبر (۵):

"وقال لهم خزنتها سلام عليكم طبتم" (سورہ زمر)۔

(اور وہاں کے محافظ (فرشتے) ان سے (بطور اکرام وثنا کے) کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہو) (بیان القرآن)۔

اوپر والی آیت میں خداوند قدوس کی طرف سے سلام کا تذکرہ تھا اور اس آیت کریمہ میں دوسرے فرشتوں کے اعزاز کا تذکرہ ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب مؤمنین کو جہنم سے نجات کا پروانہ مل جائے گا خواہ ابتداء ہو یا سزا بھگتنے کے بعد تو ان سب کو ایک پل پر روک دیا جائے گا جو جنت اور جہنم کے بیچ میں ہے اس پر ہر ایک اپنی اپنی کہانی ایک دوسرے کو سنائیں گے، جب ہر ایک جی بھر کر سنا لیں گے اور ایک دوسرے سے بدلہ چکا لیں گے تو ہر ایک کا دل ہر قسم کی خلش وکدورت سے پاک وصاف ہو جائے گا، اسی کو خداوند قدوس نے اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے "ونزعنا ما في صدورهم من غل" اس کے بعد یہ سب جنت میں داخل کئے جائیں گے اس طور پر کہ ان کے اکرام میں جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے جیسا کہ "مفتحة لهم الأبواب" سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے اور داروغۂ جنت اور اس کے دیگر اصحاب استقبال کے لئے تیار کھڑے ہوں گے جب یہ جنتی سب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو داروغۂ جنت ودیگر اصحاب جنت میں داخل ہونے والوں کو سلام کریں گے اور یہ وہی سلام ہوگا جو ہم ایک دوسرے کو اس دنیا

میں کرتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جب کوئی معزز مہمان ہمارے پاس آتا ہے تو اس کے لئے ہم پہلے ہی سے دروازہ کھول کر تیار رہتے ہیں جب وہ آتا ہے تو سلام کرتے ہیں اس کے بعد اندر بیٹھاتے ہیں۔

بہرحال اس روایت سے جہاں سلام کی فضیلت معلوم ہوئی وہیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جنت میں جتنے مؤمنین داخل ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا دل ایک دوسرے سے صاف ہوگا اور جنت میں سارے حالات کونسیاً منسیاً کرکے داخل ہوں گے اور یہ صفائی کس طرح حاصل ہوگی وہ بھی حضرت قتادہؓ کی تفسیر سے معلوم ہوگیا۔

لیکن ایک دوسری روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سننے اور سنانے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ دوسرے طریقے سے خداوندقدوس دل کو صاف کردیں گے، فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے دروازے پر ایک درخت پائیں گے اور وہ درخت ایسا ہوگا کہ اس کی جڑ سے دو نہریں نکلی ہوں گی ان میں سے ایک میں غسل کرنے کی وجہ سے ان کا ظاہر صاف وستھرا ہوجائے گا اور دوسرے میں غسل کرنے کی وجہ سے ان کا باطن صاف وستھرا ہوجائے گا اس کے بعد جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتوں سے جنت کے دروازے پر ملاقات ہوگی وہ کہیں گے **"سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین"** (تفسیر مظہری ۲۳۶/۸)۔

آیت نمبر (٦):

"قالوا سلاماً قال سلام" (سورہ ہود)۔

(انہوں (فرشتوں) نے سلام کیا ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کیا) (بیان القرآن)۔

قوم لوط جب اپنی بداعمالیوں میں حد سے بڑھ گئی تو خداوند قدوس نے فرشتوں کو عذاب دینے کے لئے بھیجا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی آ کر ملے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو فرشتوں نے سلام کیا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کیا۔

اس آیت کریمہ کے تحت امام قرطبی نے اپنی بے نظیر تفسیر الجامع لاحکام القرآن کی نویں جلد صفحہ ٦٣ پر مبسوط کلام کیا ہے اور چودہ مسائل بیان کئے ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔

بہرحال اس آیت کریمہ سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ ملاقات کے وقت سلام کرنا چاہئے، یہ بات تو تقریباً ہر قوم میں ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے کچھ کلمات بولتے ہیں لیکن اسلام میں جو کلمہ ایسے موقع کے لئے تجویز ہے اس کی نظیر نہیں، اس لئے کہ اسلامی کلمہ اپنے اندر ایک خاص قسم کی جامعیت رکھتا ہے اور بہت سے معانی اس ایک جملے میں موجود ہیں، جس کی تفصیل آیت (١)

کے تحت گذر چکی ہے۔

غرضیکہ اس آیت کریمہ سے سلام کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا کیا مقام ہے، فرشتے بھی ملاقات کے وقت اسی جملے کو استعمال کرر ہے ہیں اور ایک نبی کی زبان سے بھی جواب میں وہی جملہ نکل رہا ہے۔ترمذی شریف کی ایک روایت ہے جس سے اس جملے کا پس منظر اور اس کی ابتداء کا پتہ چلتا ہے۔حضرت جابرؓ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور ان میں روح ڈالی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی تو الحمد للہ کہا اور حسب توفیق ایزدی خداوند قدوس کی تعریف کی تو خداوند قدوس نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہا اور فرمایا اے آدم (علیہ السلام) فرشتوں کی اس جماعت کی طرف جاؤ جو بیٹھی ہوئی ہے اور ”السلام علیکم “کہو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور ”السلام علیکم “ کہا تو ان فرشتوں نے اس کے جواب میں ”علیک السلام ورحمة الله“ کہا اس کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالی کے پاس واپس آئے تو خداوندس قدوس نے فرمایا یہ تمہارا اور تمہارے بیٹوں کا سلام ہے الحدیث (راوہ الترمذی کذافی المشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

یہ چند آیات جن میں سلام کا تذکرہ ہے اور جن سے سلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نذر قارئین ہیں۔اس کے بعد اب وہ چند روایات جن میں سلام کے مقام کو حضور پاک ﷺ نے نمایاں کیا ہے اور سلام کی ترغیب دی ہے اور اس کی تائید فرمائی ہے وہ ذکر کی جاتی ہیں۔

سلام اور تاکیدی روایتیں

حدیث نمبر (۱):

”عن أبی هریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا ولا أدلکم علی شئی إذا فعلتموہ تحاببتم أفشوا السلام بینکم“ (رواہ مسلم ۱/۵۴، مشکوۃ شریف ۲/۳۹۷)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک آپس میں محبت پیدا نہ کرو کیا تم کو میں ایک ایسی چیز کی طرف رہنمائی نہ کروں کہ جب تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، آپس میں سلام کو پھیلاؤ عام کرو) (معارف القرآن ۲/۵۰۲)۔

آج مسلمانوں میں کس قدر تشتت ہے محتاج بیان نہیں، جہاں دیکھئے بگاڑ ہی بگاڑ نظر آئے گا، بھائی بھائی میں بگاڑ، میاں بیوی میں بگاڑ، باپ بیٹے میں بگاڑ، استاذ شاگرد میں بگاڑ، معلم معلم میں بگاڑ، اس بگاڑ کی بنیاد پر اگر غور کریں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ دلوں سے ایک دوسرے کی محبت نکل چکی ہے اس لئے کہ جب محبت و تعلق

ہوگا تو بگاڑ پیدا ہی نہیں ہوسکتا، اگر وقتی طور پر پیدا ہی ہوا تو دل فوراً جڑ جائے گا اور جب تعلق محبت بالکل ختم ہو جاتی ہے تو اکثر بغض وعداوت اپنی جگہ بنا لیتی ہے اس بگاڑ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے مذکورہ بالا روایت میں حضور پاک ﷺ نے ایک عجیب وغریب طریقہ بیان کیا کہ جب بھی ملاقات ہو سلام کرو، کاش ہم اس طریقہ کو اپنا لیتے تو انشاء اللہ سارا اختلاف وبگاڑ ختم ہو جاتا اور محبت پیدا ہو جاتی۔

حدیث نمبر (۲):

"عن أبی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ للمؤمن علی المؤمن ستة خصال یعوده إذا مرض ویشهده إذا مات ویجیبه إذا دعاه ویسلم علیه إذا لقیه ویشمته إذ عطس وینصح له إذا غاب أو شهد، لم أجده فی الصحیحین ولا فی کتاب الحمیدی ولکن ذکره صاحب الجامع بروایة النسائی" (مشکوۃ ۲/۳۹۷)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) اگر ایک مسلمان بیمار ہو تو دوسرا مسلمان اس کی عیادت کرے (۲) اور جب کوئی مسلمان مرجائے تو دوسرا مسلمان اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو (۳) اگر ایک مسلمان دعوت دے تو دوسرا مسلمان اس کی دعوت کو قبول کرے (۴) اور جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرے (۵) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس کا جواب دے (۶) ایک مسلمان دوسرے

مسلمان کی ہر حالت میں خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب)۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور پاک ﷺ تو ان چھ حقوق کو ہر مسلمان کے ذمہ عائد کر رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ان حقوق کو فراموش کئے بیٹھے ہیں، اپنے مشاغل میں اس قدر منہمک کہ اتنی فرصت نہیں ملتی کہ ہم ان حقوق کی ادائیگی کے لئے چند لمحات صرف کردیں اور اگر فرصت نکالیں گے اور کچھ وقت لگائیں گے تو صرف انھیں لوگوں کے لئے جو عزیز و اقارب ہوں ہمارے بغل میں ہمارا پڑوسی پریشان لیکن اس کی پریشانی اور اس کے غم میں شریک ہونا گوارا نہیں، آج ہمارے اندر سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ اپنا حق تو دوسروں سے وصول کرنا چاہتے ہیں اور اگر دوسرا اس حق کی ادائیگی سے قاصر ہو تو برا بھلا کہتے ہیں لیکن اس کا خیال نہیں ہوتا کہ اس دوسرے کا بھی میرے ذمہ کوئی حق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی بھی ادائیگی کی ضرورت ہے یا نہیں، حضور پاک ﷺ نے اس روایت میں جن حقوق کو بیان کیا ہے وہ کسی خاص مسلمان کے لئے نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے ہے خواہ عزیز و قریب ہو یا نہ ہو، پڑوسی ہو یا نہ ہو، ہم وطن ہو یا نہ ہو، ہم مسلک و ہم مشرب ہو یا نہ ہو ہم کتاب و ہم درس ہو یا نہ ہو۔

(۱) پہلا حق حضور ﷺ نے یہ بیان کیا کہ جب کوئی مسلمان مریض بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، حدیث پاک میں عیادت مریض کی بہت فضیلت آئی ہے اس جگہ صرف دو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں، عمل کرنے والوں کے لئے یہی دو بہت ہیں:

(۱) "عن ثوبانؓ عن النبی ﷺ قال إن المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل فی خرفة الجنة حتى يرجع قيل يا رسول الله وما

خرفة الجنة؟ قال جناهاه" (رواہ مسلم ریاض الصالحین/۳۵۵)۔

(حضرت ثوبانؓ حضور پاک ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو جب تک وہ واپس نہیں آتا، اس وقت تک جنت کے میوے چننے میں مصروف رہتا ہے)۔

(۲) "عن عليؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من مسلم يعود مسلماً غدوة إلا صلى عليه سبعون ألف ملك حتى يمسي وإن عاده عشية إلا صلى عليه سبعون ألف ملك حتى يصبح و كان له خريف في الجنة" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن، الخریف الثمر المحذوف أی المجتبی، ریاض الصالحین/۳۵۶، مشکوۃ شریف ۱/۱۳۵)۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان اگر کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس عیادت کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت میں لگ جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ شام میں داخل ہوجاتا ہے یعنی شام تک فرشتوں کا یہی عمل رہتا ہے اور اگر کسی مسلمان نے کسی مسلمان کی شام کے وقت عیادت کی تو ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ صبح میں داخل ہوجاتا ہے یعنی صبح تک فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت ہی کرتے رہتے ہیں، مزید برآں عیادت کرنے والے کے لئے جنت میں چنے ہوئے میوے ہوں گے)۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس فضیلت کے حاصل کرنے کی توفیق عطا

فرمائیں، اور اس کے قدر کی توفیق عطا فرمائیں۔

(۲) دوسرا حق حضور علیہ نے یہ بیان فرمایا کہ جب کوئی مسلمان مر جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو۔

اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہو اور نزع کی کیفیت طاری ہو اسی وقت پہنچ جایئے اور اس کے قریب بیٹھ کر شیطانی اغوا سے حفاظت اور ایمان کے ساتھ خاتمہ کی دعا کرے اس لئے کہ اس وقت جو بھی دعا کی جاتی ہے اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں، اسی وجہ سے حضور پاک علیہ کا ارشاد ہے کہ قریب المرگ کے پاس بیٹھ کر اچھی اور بھلی بات جو اس کے حق میں مفید ہو وہی کہنی چاہئے، جیسا کہ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے:

”عن أم سلمةؓ قالت قال رسول الله ﷺ إذا حضرتم المريض أو الميت فقولوا خيراً فإن الملائكة يؤمّنون على ما تقولون“ الحديث (رياض الصالحين ۱/۳۶۱)۔

(ام سلمہؓ سے مروی ہے کہتی ہیں کہ حضور علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مریض یا میت کے پاس جاؤ تو وہاں اچھی اور بھلی باتیں کیا کرو اس لئے کہ فرشتے تمہاری باتوں پر آمین کہتے ہیں)۔

غرضیکہ اولیٰ یہی ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہو تو پہنچ جائے لیکن اگر اس وقت نہ پہنچ سکے تو جنازہ کی نماز میں تو ضرور ہی شرکت کرنی چاہئے، اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس میں اپنا بھی فائدہ ہے اور میت کا بھی، اپنا فائدہ

تو یہ ہے کہ احد پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے:

”عن أبی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ من اتبع جنازة مسلم إيماناً واحتساباً وكان معه حتى يصلى عليها ويفرغ من دفنها فإنه يرجع من الأجر بقيراطين كل قيراط مثل أحد ومن صلى عليها ثم رجع قبل أن تدفن فإنه يرجع بقيراط“ (متفق علیہ؛مشکوۃ ۱۴۴/۱)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ جنازہ کے ساتھ چلے اور اسی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھے اور دفن سے فارغ ہو جائے تو وہ دو قیراط اجر لے کر لوٹتا ہے اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے، اور جس نے نماز جنازہ ادا کی اور تدفین سے پہلے لوٹ آیا (مٹی نہیں دی) تو وہ ایک قیراط اجر کے ساتھ لوٹتا ہے) (مشکوۃ)۔

اس روایت میں ایک لفظ آیا ہے (احتساباً) اس کا مطلب یہ ہے کہ مقصود صرف تحصیل ثواب ہو ریا و دکھلاوا نام و نمود یا کسی کے دل کو خوش کرنے کے لئے نہ ہو جیسا کہ ابن ملک کی رائے ہے، ”واحتساباً أی طلباً للثواب لا الرياء وتطييب قلب أحد“ لیکن ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے تعمیم کردی ہے اور لکھا ہے کہ اگر تطییب خاطر (کسی مومن کا دل خوش کرنے) کے لئے ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ثواب کا مستحق ہوگا (مرقاۃ ۳۵۳/۲)۔

اب تک اس فائدہ کا بیان تھا جو شرکت کرنے والوں کو حاصل ہوتا ہے، لیکن

اس کے ساتھ ساتھ میت کا بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ اس کے حق میں ان لوگوں کی سفارش مقبول ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت ہے:

"عن عائشةؓ عن النبیﷺ قال ما من میت تصلی علیه أمة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له إلا شفعوا فیه" (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف ۱/۱۴۵)۔

(حضرت عائشہؓ حضور پاکﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشادفرمایا جس میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت پڑھے جس کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور یہ جماعت میت کے لئے شفاعت کرے یعنی دعائے مغفرت تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے (یعنی میت کی مغفرت کردی جاتی ہے)۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اگر چالیس آدمی بھی ہوں تو میت کے حق میں ان لوگوں کی سفارش مقبول ہے۔

"عن ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللهﷺ یقول ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته أربعون رجلاً لا یشرکون بالله شیئاً إلا شفعهم الله فیه" (رواہ مسلم؛ ریاض الصالحین/۲۶۶)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پاکﷺ کو ارشادفرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مسلمان مرے اور اس کے جنازے کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالی میت کے حق میں ان لوگوں کی شفاعت قبول کرتا ہے)۔

اور دوسری بعض روایتوں میں اس سے بھی کم تعداد پر اس سے بڑی فضیلت اور بشارت موجود ہے جیسا کہ حضرت مالک بن ہبیرہؓ کی ایک روایت ہے:

"عن مالک بن هبيرةؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من مسلم يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب" (الحدیث) (مشکوۃ ۱/۱۴۷)۔

(حضرت مالک ابن ہبیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مسلمان مرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں پر مشتمل جماعت نماز پڑھتی ہے تو اللہ تعالی اس میت کے لئے جنت ومغفرت واجب کردیتا ہے)۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالی اس کی مغفرت کردیتا ہے بہر حال مغفرت ہو یا جنت یہ خدا کی طرف سے بطور وعدہ وفضل کے ہے جیسا کہ ملاعلی قاریؒ نے اس کی تصریح کی ہے **"ووعداً منه وفضلاً وقد جاء في رواية إلا غفر الله له"** (مرقاۃ ۲/۳۶۸)۔

نوٹ:

مسئلہ: نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا افضل ہے بخلاف اور دیگر نمازوں کے کہ ان میں پہلی صف کو فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ملاعلی قاری نے ابن ملک اور کرمانی کے حوالہ سے بیان کیا ہے، **"قال ابن الملک في شرح الوقاية**

ذكر الكرماني أن أفضل الصفوف في صلاة الجنازة آخرها وفي غيرها أولها إظهاراً للتواضع ولتكون شفاعته أدعى إلى القبول" (مرقاۃ ۳۶۹/۲، درمختار ۵۸۶/۱)۔

(۳) تیسرا حق حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان دعوت دے تو دوسرا مسلمان اسے قبول کرے، لیکن اگر اس دعوت میں منکرات کا ارتکاب ہو مثلاً ناچ گانا باجا وغیرہ یا خود کھانا مال حرام کا ہو تو ایسی دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہئے بلکہ ایسی دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں اور اگر ان منکرات سے دعوت خالی ہو اور مدعو کو کوئی عذر نہ ہو تو ایک مسلمان کے دل کو خوش کرنے کے لئے دعوت قبول کرلینی چاہئے، کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنے کے لئے کوئی مباح کام کرنے کی بہت فضیلت ہے اسی مفہوم کو کسی نے اس فارسی کے ایک جملے میں ادا کیا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اور اسی کی تعبیر دوسرے انداز سے اپنے خیال کے مطابق کسی شاعر نے اس طرح کی ہے۔

کعبہ کو ڈھانے والے وہ اور کوئی ہوں گے
ہم کفر جانتے ہیں دل توڑنا کسی کا

(۴) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرے، خواہ اس سے واقفیت ہو یا نہ ہو، جان پہچان ہو یا نہ ہو، چنانچہ بخاری ومسلم کی ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال

میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کو کھانا کھلا دو اور سلام کو عام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو (معارف القرآن ۲/۵۰۲)۔

لیکن افسوس کہ آج سلام انھیں لوگوں کو کرنے کا دستور سا بن گیا ہے جن سے تعارف، ملاقات ہو جان پہچان ہو، حالانکہ سلام ہر ایک کا حق ہے خواہ ہم اس سے واقف ہوں یا نہ ہوں یہ بہت بڑا بخل ہے کہ آدمی اتنا چھوٹا حق ادا کرنے سے بھی گریز کرے اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ نے ایسے آدمی کو سب سے بڑا بخیل قرار دیا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے:

"أعجز الناس من عجز فی الدعاء وأبخل الناس من بخل بالسلام للكبير" (جمع الفوائد ۱۷/۴)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں وہ حضور کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ عاجز ترین وہ شخص ہے جو دعا مانگنے میں عاجز ہو (اللہ کریم سے بھی کچھ نہ مانگے) اور بخیل ترین وہ ہے جو سلام میں بخل کرے (کہ مسلمان بھائی کو سلامتی کی دعا بھی ناگوار ہے)۔

اور بعضے حضرات ایسے بھی ہیں جو اس کے منتظر رہتے ہیں کہ لوگ ہمیں سلام کریں، اور ان کے لئے پیش قدمی باعث عار اور منافی بڑائی ہے بس ساری بڑائی اسی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے کہ لوگ ان کو سلام کریں حالانکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے چنانچہ ایک روایت ہے:

"عن أبی أمامة قال قال رسول الله ﷺ إن أولی الناس بالله من بدأ بالسلام" (رواہ احمد والترمذی، وابوداؤد ۲/۳۹۸)۔

(مسند احمد ترمذی ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں ابتداء کرے)۔

ملا علی قاریؒ نے اللہ سے قریب ہونے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ کی رحمت ومغفرت کے قریب ہوجاتا ہے، "بالله أی برحمته وغفرانه" (مرقاۃ ۴/۵٦٠)۔

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے تین چیزیں خالص محبت کی نشانیوں میں سے ہیں (۱) ملاقات کے وقت سلام میں پہل کرنا (۲) جو نام اس کو پسند ہو اسی نام سے بلانا (۳) اور اگر مجلس میں آجائے تو اس کو جگہ دینا (مرقاۃ ۴/۵٦٠)۔

(۵) پانچواں حق حضور ﷺ نے یہ بیان کیا کہ جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس کا جواب دے، یہاں پر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ایک عطاس (چھینک) اور ایک تثاؤب (جمائی) دونوں میں فرق ہے، چھینک رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور جمائی شیطان کی طرف سے۔ چھینکنے کو رحمٰن پسند کرتا ہے شیطان نہیں اور جمائی کو شیطان پسند کرتا ہے رحمٰن نہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

"عن أبی هريرةؓ قال قال النبیﷺ إن الله يحب العطاس ويكره التثاؤب فإذا عطس أحدكم وحمد الله كان حقا علی كل مسلم سمعه أن يقول له يرحمک الله، فأما التثاؤب فإنما هو من الشيطان فإذا تثاؤب أحدكم فليرده ما استطاع فإن أحدكم إذا تثاؤب

ضحک منه الشیطان" (رواہ البخاری،وفی روایة لمسلم فإن أحدکم إذا قال ها ضحک الشیطان منه (مشکوۃ ۲/۴۰۵)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشادفرمایا اللہ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند، لہذا تم میں سے کوئی شخص چھینکے اور اللہ کی تعریف کرے (الحمد للہ کہے) تو ہر مسلمان پر جو اس کو سنے واجب ہے کہ یرحمک اللہ کہے لیکن جمائی شیطان کی طرف سے ہے لہذا تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ حتی الامکان اس کو روکے اس لئے کہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے (یعنی منھ پھاڑتا ہے) تو شیطان ہنستا ہے، اور مسلم شریف کی روایت میں یہ ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص (جمائی) لیتے وقت) ھا (یا آہ آہ) کرتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے) (بخاری شریف)۔

غرضیکہ اگر کسی کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو دوسرے مسلمان پر واجب ہے کہ اس کا جواب دے اور یرحمک اللہ کہے، چھینک جب آئے تو دونوں ہاتھوں سے یا کپڑا منھ پر ڈال کر چھینک کی آواز کو دبائے، "**هکذا فعل النبی ﷺ عند العطاس**" (جمع الفرائد/۲۵)۔

اگر چھینکنے والا الحمد للہ نہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا ضروری نہیں کذا فی روایة ابی موسی (مشکوۃ ۲/۴۰۵)۔

اگر چھینکنے والا دیوار کے پیچھے ہو اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا بھی جواب دینا چاہئے (مرقاۃ ۴/۵۹۱)۔

چند مسائل:

۱- چھینکنے والا اگر الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دینا واجب ہے کذا فی السراجیۃ لیکن واجب علی الکفایہ ہے، لہذا اگر مجلس والوں میں سے ایک نے بھی جواب دید یا تو سب کی طرف سے کافی ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے (مرقاۃ ۴/۵۹۰)۔

۲- ایک مجلس میں تین مرتبہ تک جواب دینا واجب ہے تین مرتبہ کے بعد اگر جواب دے تو اچھا ہے اور اگر نہ دے تو کوئی حرج نہیں، کذا فی فتاوی قاضیخان۔

۳- چھینکنے والا الحمد للہ رب العالمین یا الحمد للہ علی کل حال کہے اس کے علاوہ اور کوئی جملہ نہ کہے، جواب دینے والا یرحمک اللہ کہے اس کے جواب میں چھینکنے والا یغفر اللہ لنا ولکم یا یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے اس میں اور کسی جملہ کو نہ ملائے، کذا فی المحیط۔

۴- اگر کوئی بوڑھی عورت چھینکے اور الحمد للہ کہے تو مرد اس کے جواب میں یرحمک اللہ زور سے کہہ سکتا ہے، اور اگر عورت جوان ہو تو مرد یرحمک اللہ دل میں کہہ لے زور سے نہ کہے، کذا فی الخلاصۃ۔

۵- اگر کسی مرد کو چھینک آئی اور کسی بڑھیا نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہا تو مرد کے لئے جائز ہے کہ اس کے جواب میں زور سے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے، لیکن عورت اگر جوان ہو تو مرد اس کا جواب زور سے نہ دے بلکہ آہستہ دے کذا فی الذخیرہ۔

۶- اگر کوئی جوان خوبصورت چھینکے تو غیر محرم کے لئے زور سے اس کا جواب دینا جائز نہیں، کذافی الغرائب، الفتاوی الہندیہ ۳۲۶/۵۔

۷- اگر کوئی کافر چھینکے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ نہ کہے بلکہ یہدیکم اللہ و یصلح بالکم کہے یعنی اللہ تعالی تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے دل و حال کی اصلاح فرمائے، کذافی روایۃ ابی موسی، مرقاۃ ۵۹۳/۴)۔

فائدہ:

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جو شخص چھینکنے کے بعد فوراً الحمد للہ کہہ لے وہ کوکھ کے درد سے محفوظ رہے گا اور اس کی داڑھ کبھی نہیں دکھے گی، "من بادر بالعطاس بالحمد عوفی من وجع الخاصرة ولم یشتک ضرسه أبداً" (جمع الفوائد ۲۶/۴)۔

نوٹ: ا۔ چھینک کا جواب اسی وقت واجب ہے جبکہ چھینکنے والا زور سے الحمد للہ کہے ورنہ جواب واجب نہیں۔

۲۔ چھینک کا جواب بلند آواز سے دینا واجب ہے، تاکہ الحمد للہ کہنے والا سن لے۔

(۶) چھٹا حق حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی ہر حالت میں خیر خواہی کرے وہ حاضر ہو یا غائب، اسی کو حضور پاک ﷺ ایک جامع مانع جملے میں فرماتے ہیں: "الدین النصیحة" (مسلم شریف ۵۴/۱) دین نام

ہے خیر خواہی کا۔ چنانچہ حضرت تمیم داری فرماتے ہیں کہ جب حضورﷺ نے یہ فرمایا کہ دین سراپا خیر خواہی ہے تو ہم نے سوال کیا کہ کس کی خیر خواہی یا رسول اللہ (ﷺ)؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، اسلام کے پیشواؤں کی، اور عام مسلمانوں کی۔

اللہ کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے، اس کو شرک سے بالا و برتر سمجھے، اس کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف سمجھے، تمام نقائص سے پاک ہونے کا یقین رکھے، اس کی اطاعت کرتا رہے، ان کاموں کا ارتکاب نہ کرے جس میں اس کی معصیت ہو، جو اس کی اطاعت کرے اس سے اپنا تعلق پیدا کرے، اور جو اس سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھے، اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے، اور ان نعمتوں کا اعتراف کرے وغیرہ۔

اور کتاب کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق کرے کہ یہ اللہ تعالی کا اتارا ہوا کلام ہے مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے، اور کوئی مخلوق اس کا مثل پیش کرنے پر قادر نہیں، اس کی تعظیم کرے، کما حقہ اس کی تلاوت کرے، تلاوت میں خشوع پیدا کرے، اس کے حروف کو صحیح طریقے سے ادا کرے، اس میں جو احکامات ہیں اس کو تسلیم کرے، اس کے اندر جو علوم و مثالیں ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کرے، مواعظ سے عبرت حاصل کرے عجائب میں غور و فکر کرے، آیات محکم پر عمل کرے، اور متشابہات کو بلا چوں و چرا تسلیم کرے، اس میں جو علوم ہیں اس کو پھیلائے، عام تام کرے وغیرہ۔

اور رسول کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ رسالت کی تصدیق کرے، اور ان تمام احکام پر جو وہ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لائے، رسول جن چیزوں کا حکم دے اس پر عمل کرے، اور جن چیزوں سے روکے رک جائے۔ زندگی میں اس کی مدد کرے اور اس کے مرنے کے بعد اگر کوئی اس کے لائے ہوئے احکامات کو پامال کرے تو اس کے احیاء کی کوشش کرے، اور اس کی ذات کے بارے میں کوئی نکتہ چینی کرے تو اس کا دفاع کرے، جو اپنے کو رسول سے وابستہ کرے خود کو اس سے وابستہ کرے، اور جو رسول سے عداوت رکھے خود کو اس سے منقطع کرلے، اس کے حق کی عظمت کو پہچانے، اس کی تعظیم کرے، اس کی شریعت کو پھیلائے، اس پر اگر تہمت لگائے تو اس کی تردید کرے، اس کی باتوں (حدیث) کو باادب پڑھے، بغیر علم وتحقیق کے کسی حدیث کے بارے میں کوئی بات نہ کہے، ان کے آداب سے اپنے کو آراستہ کرے، ان کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرے، اہل بیت واصحاب ومنتسبین سے محبت رکھے، ان کی تعظیم کرے، اور جو اس کی سنت میں نئی نئی باتیں پیدا کرے (جیسے بدعتی) ان سے دور رہے، اسی طرح اس کے اصحاب میں سے کسی کو اگر کوئی برا بھلا کہے اس سے بھی دوری اختیار کرے۔

اور اسلام کے پیشواؤں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ حق بات میں ان کی اعانت کرے، اور اطاعت کرے، اور ان کو تنبیہ کرنی ہو یا کوئی بات یاد دلانی ہو تو نرمی کے ساتھ تنبیہ کرے، اور یاد دلائے، اور اگر کوئی کام غفلت کی وجہ سے نہ کرسکیں تو نرمی سے اس کو بتلائے، اس کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے، لوگوں کو اس کی اطاعت

کے لئے جوڑے، وغیرہ۔

اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں کی رہنمائی کرے جو دارین کے فلاح کا ذریعہ ہو، ان کو تکلیف نہ دے، اگر کسی دینی یا دنیوی مسئلے سے ناواقف ہوں تو ان کو بتلائے، سکھلائے، اور قولاً اور فعلاً ان کا تعاون کرے، ان کی لغزشوں کو معاف کرے، کوتاہیوں پر پردہ پوشی کرے، اخلاص اور نرمی کے ساتھ اچھی باتوں کا حکم دے، بری باتوں سے روکے، ان میں جو بڑے ہوں ان کی تعظیم کرے، اور چھوٹوں کے ساتھ رحم وکرم وشفقت کا معاملہ رکھے، ان کو اچھی باتوں کی نصیحت کرتا رہے، ان کے لئے انھیں چیزوں کو پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرے، اور جن چیزوں کو اپنے لئے ناپسند کرے ان کے لئے بھی پسند نہ کرے، ان کو بے آبرو نہ کرے، ان کی جان ومال کی حفاظت کرتا رہے، وغیرہ (نووی ۲؍۵۴)۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں، تو آپ نے مجھ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کا وعدہ لیا (مسلم شریف ۱؍۵۵، جمع الفوائد ورفرائد ۴؍۴۹)۔

امام نووی پہلی روایت "الدين النصيحة" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "**هذا حديث عظيم الشأن وعليه مدار الإسلام كما سنذكره من شرحه اهـ**" یہ عظیم الشان حدیث ہے اور اسی پر مدار اسلام ہے جیسا کہ عنقریب اس کی شرح کرتے ہوئے ہم بیان کریں گے، نیز آگے چل کر لکھتے ہیں تمام روایات میں تنہا یہ روایت ہے جس پر دین اسلام کا دارومدار ہے بہر حال یہ بہت اہم بات ہے اسکی طرف خیال

کرنے کی ضرورت ہے آج دوسروں کی بدخواہی کا عام مزاج بن چکا ہے، اللہ معاف فرمائے۔

ترغیبات سلام:

(۱)"عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ أن رجلاً سئل رسول اللهﷺ أى الإسلام خير؟ قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف "(متفق علیہ، ریاض الصالحین ۳۴۳/)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرمﷺ سے سوال کیا کہ اہل اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے آپ نے ارشادفرمایا کھانا کھلانا اور ہر شناسا اور غیر شناسا کو سلام کرنا)۔

(۲) "عن عبد الله بن عمرؓ قال قال رسول اللهﷺ اعبدوا الرحمن وأفشوا السلام وأطعموا الطعام تدخلوا الجنان"(رواہ الترمذی وصححہ وابن حبان فی صحیحہ واللفظ لہ، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف۳/ ۴۲۵)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرمﷺ نے ارشادفرمایا رحمٰن (خداوندقدوس) کی عبادت (اطاعت) کرو اور سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ جنت میں داخل ہوجاؤگے)۔

یعنی ایمان لانے کے بعد حق اللہ اور حق العباد دونوں کو ادا کرتے رہو۔

(۳)"عن أبی یوسف عبد الله بن سلامؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول یا أیها الناس أفشوا السلام وأطعموا الطعام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، الترغیب والترہیب ۳/۴۲۵)۔

(عبد اللہ بن سلام سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ (عام کرو) اور کھانا کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو (یعنی تہجد) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے)۔

"تنجوا بلا حساب" (یعنی بلا حساب نجات مل جائے گی۔

۴-حضرت براءؓ حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ سلام کو عام کرو نجات پا جاؤ گے (ابن حبان، الترغیب ۲/۴۲۵)۔

۵-حضرت ابوشریحؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے جو میرے لئے جنت کو ثابت کر دے (یعنی اس کو کرنے کی وجہ سے میں جنت میں جا سکوں) تو فرمایا اچھی بات کہنا اور سلام کو عام کرنا اور کھانا کھلانا۔ یعنی یہ تینوں چیزیں موجب دخول جنت ہیں (رواہ الطبرانی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصحہ)۔

۶-حضرت ابوالدرداءؓ حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سلام کو عام کرو تا کہ تم غالب رہو یعنی تا کہ تمہارا اخلاق اور تمہارا مرتبہ اونچا رہے

(رواہ الطبرانی باسناد حسن)۔

۷- ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) مجھ کو کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے کہ جس پر عمل کرنے کی وجہ سے میں جنت میں جاسکوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا حسن کلام اور سلام کو عام کرنا موجبات مغفرت میں سے ہے یعنی ان دونوں پر اگر عمل رہا تو انشاء اللہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے (الترغیب ۴۲۶/۳)۔

سلام کے الفاظ اور ہر ایک کا ثواب:

"عن عمران بن حصین أن رجلاً جاء إلى النبی ﷺ فقال السلام علیکم فقال النبی ﷺ عشر ثم جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمة الله فقال النبی ﷺ عشرون ، ثم جاء آخر فقال السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته، فقال النبی ﷺ ثلاثون" (ترمذی شریف ۹۴/۲ باب ماذکر فی فضل السلام)۔

(حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو السلام علیکم کہا حضور ﷺ نے فرمایا دس، پھر دوسرا شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا بیس، پھر تیسرا شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا تیس) (ترمذی)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) السلام علیکم (۲) ورحمۃ اللہ (۳) وبرکاتہ۔ اور ہر جزء پر دس دس نیکی ملتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا لہذا اگر کوئی صرف السلام علیکم کہتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر وہ رحمۃ اللہ بڑھا لیتا ہے تو بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر وہ برکاتہ کا اضافہ کرلے تو تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

افسوس کہ آج اس کی طرف بہت کم لوگوں کا ذہن جاتا ہے صرف السلام علیکم پر اکتفا کرتے عوام وخواص دونوں کو دیکھا گیا ہے ذراسی بے توجہی کی وجہ سے بیس نیکیاں چلی جاتی ہیں۔

الفاظ سلام کا منتہی:

(۱) "عن محمد بن عمر بن عطاء أنه قال كنت جالساً عند عبد الله ابن عباس فدخل عليه رجل من أهل اليمن فقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، ثم زاد شيئاً مع ذلك أيضاً فقال ابن عباس إن السلام انتهى إلى البركة" (تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک ۳/۱۳۲، ہکذا فی مؤطا محمد ۷/۲۴۷ باب رد السلام)۔

(محمد بن عمر ابن عطاءؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس ایک یمنی شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا (یعنی سلام کیا) اور اس کے بعد کچھ اضافہ بھی کردیا (یعنی برکاتہ کے بعد کوئی جملہ بڑھا دیا) تو ابن عباسؓ نے فرمایا سلام وبرکاتہ پر ختم ہوگیا)۔

(۲)"عن يحيىٰ بن سعيد أن رجلاً سلم على عبد الله بن عمر فقال السلام عليک ورحمة الله وبركاته والغاديات الرائحات فقال له عبد الله ابن عمر عليک ألفاً ثم كأنه كره ذلک" (مؤطا امام مالک مع تنویر الحوالک ۳/۱۳۳ تا ۱۳۴)۔

(یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر کو سلام کیا (بایں الفاظ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والغادیات الرائحات) تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اور صبح وشام طرح طرح کے انعامات، عبداللہ بن عمر نے ان سے کہا اور تجھ پر ہزار گویا کہ اضافہ کو ابن عمرؓ نے برا سمجھا)۔

ان دونوں آثار سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام کی انتہا ''وبرکاتہ'' پر ہے اس پر کسی جملہ کا بڑھانا یہ خلاف سنت ہے۔

ایک تعارض اور اس کا دفعیہ:

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوداؤد میں ایک روایت ہے جس کے راوی معاذ بن انس ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وبرکاتہ پر اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت معاذ بن انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے سلام کیا (بایں الفاظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ) تو حضور ﷺ نے فرمایا چالیس (یعنی چالیس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی گئیں) نیز فرمایا اسی طرح ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے (یعنی سلام کرنے والا جس قدر الفاظ بڑھاتا جائے گا

اسی قدر اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا جائے گا) (مرقاۃ ۵۶۰/۴)۔

غرضیکہ اس روایت سے ’’وبرکاتہ‘‘ پر اضافہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے نیز اگر کوئی اضافہ کردے تو وہ ثواب کا بھی مستحق ہوگا، اور حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر کے ارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اضافہ درست نہیں سلام وبرکاتہ پر ختم ہوجاتا ہے۔

اس تعارض کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس طرح ختم کیا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان ’’ھذا تکون الفضائل‘‘ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی آدمی کہے جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی زیادہ میٹھا ہوگا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خوب گڑ ڈالدو بلکہ اس جملہ سے متکلم گڑ کے اثر وخاصیت کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ گڑ کے اندر کسی چیز کو میٹھا بنانے کی صلاحیت ہے۔

اور ابن عمر وابن عباس کے ارشادات میں عادت محمدیہ اور عمل صحابہ کا اظہار ہے کہ حضور اور حضرات صحابہ ’’وبرکاتہ‘‘ سے آگے نہیں بڑھتے تھے، پس یہ بمنزلہ مذاق طبیعت کے ہے کہ سلیم الطبع کو معتدل مٹھاس مرغوب ہوتا ہے اور اس پر زیادتی ناپسند ہوتی ہے، پس اگر کسی خاص نیت سے اضافہ کیا ہے تو عجب نہیں کہ اجر بڑھ جائے ورنہ اتباع سنت خود موجب اجر ہے اور اجر بھی وہ جس کے قلیل کو کثیر پر ایسی فضیلت ہے جیسے اشرفی کو پیسوں پر‘‘ (درفرائد ۱۲/۴)۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ معاذ بن انس کی روایت عبداللہ بن عباسؓ وعبداللہ بن عمرؓ کے ہم پلہ نہیں، اس لئے کہ اس روایت میں ابومرحوم عبدالرحمٰن ابن میمون اور سہل

ابن معاذ ہیں اور یہ دونوں ثقہ راویوں میں سے نہیں ہیں، ”قال المنذری فی إسناده أبومرحوم عبد الرحمن بن میمون وسهل بن معاذ لا يحتج بهما اه“ (اوجز المسالک ۱۵/۱۰۳)۔

الحاصل سلام کرنے والوں کے لئے اسی طرح سلام کا جواب دینے والوں کے لئے افضل یہی ہے کہ ”برکاتہ“ پر رک جائے مزید کسی جملہ کا اس پر اضافہ نہ کرے، اس لئے حضور وصحابہ کا عمل اوران کی عادت یہی رہی کہ ”وبرکاتہ“ پر کسی جملہ کی زیادتی نہیں کرتے تھے، جیسا کہ امام محمد علیہ الرحمہ ابن عباسؓ کے اثر کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

”قال محمد وبهذا نأخذ إذا قال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فليكفف فإن اتباع السنة أفضل“ (۲۴۷)۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر (یعنی ابن عباس کے ارشاد پر کہ وبرکاتہ پر اضافہ نہ کرے) ہم لوگوں کا عمل ہے، لہذا اسلام کرنے والے کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے کے بعد رک جانا چاہئے (یعنی زیادتی سے رک جانا چاہئے) اس لئے کہ اتباع سنت افضل ہے۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

”والأفضل للمسلم أن يقول السلام عليكم ورحمة الله وبركاته والمجيب كذلك يرد ولا ينبغي أن يزاد على البركات شئی قال ابن عباسؓ لكل شئی منتهى ومنتهى السلام البركات كذا في المحيط“ (عالمگیری ۵/۳۲۵، الباب السابع فی السلام، الاذکار للنووی ۲۰۸، وہکذا

فی الدر المختار ۲۶۶/۵، اوجز المسالک ۱۰۱/۱۵ للشیخ الکامل حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ)۔

الفاظ سلام کا تجزیہ:

ماقبل کی تحریر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سلام کا منتہی ''وبرکاتہ'' ہے، (۱) اور سلام کرنیوالے کے لئے افضل یہ ہے کہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے جیسا کہ ملا علی قاری نے بھی امام نووی کے حوالہ سے یہی بات لکھی ہے: ''قال النووی اعلم أن أفضل السلام أن یقول السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته''۔

(۲) سلام کرنے والے کو چاہئے کہ جمع کی ضمیر استعمال کرے چاہے مسلم علیہ یعنی جن کو سلام کررہا ہے وہ ایک یا ایک سے زائد ہو، ایسا نہ کرے کہ اگر ایک ہو تو السلام علیک کہے اور دو چار ہوں تو السلام علیکم کہے بلکہ ہر حال میں جمع کی ضمیر لائے ''فیأتی بضمیر الجمع وإن کان المسلم علیه واحداً''۔

(۳) جن الفاظ سے سلام کی ادائیگی ہوتی ہے اس کی کم سے کم مقدار ''السلام علیکم'' ہے، لہذا اگر کوئی شخص صرف السلام کہے تو سلام کرنے کا ثواب نہیں ملے گا، ثواب کی تحصیل کے لئے علیکم کا ملانا ضروری ہے، ''وأقل السلام أن تقول السلام علیکم''۔

(۴) اسی طرح سلام کرنے والے کے لئے اولی یہ ہے کہ لفظ سلام کو معرف ذکر کرے یعنی السلام علیکم کہے، منکر نہ ذکر کرے یعنی سلام علیکم نہ کہے لیکن کوئی سلام

علیکم کہے تو سلام کرنے کا ثواب ملے گا البتہ یہ خلاف اولیٰ ہے، "قال الإمام أبو الحسن الواحدی أنت فی تعریف السلام وتنکیرہ بالخیار قال النووی ولکن الألف واللام أولی"۔

(۵) مسلم علیہ اگر ایک ہو تو اولیٰ یہی ہے کہ جمع کی ضمیر لائے لیکن اگر کوئی واحد ہی کی ضمیر لائے، اور "السلام علیک" کہے تو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا، "وإن قال السلام علیک أو سلام علیک حصل أیضاً" (أی الثواب)۔

(۶) جواب دینے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ "وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته" کہے اور علیکم سے پہلے واو لائے یعنی "علیکم" نہ کہے بلکہ "وعلیکم" کہے، "ویقول المجیب وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته ویأتی بواو العطف فی قوله وعلیکم"۔

(۷) لیکن اگر واو حذف کردے اور صرف "علیکم السلام" کہے تو بھی ثواب ملے گا لیکن خلاف اولیٰ ہے "فإن حذف الواو أجزأه"۔

(۸) جن الفاظ سے سلام کا جواب دیا جاتا ہے اقل مقدار "وعلیکم السلام" ہے، "وأما الجواب فأقله وعلیک السلام أو وعلیکم السلام"۔

(۹) اگر سلام کے جواب میں کوئی شخص صرف "علیکم" کہے یعنی نہ واو ملائے نہ السلام کا آخر میں اضافہ کرے تو یہ جواب نہیں کہلائے گا، لہذا نہ تو جواب سلام کے اجر کا مستحق ہوگا اور نہ وجوب ساقط ہوگا بلکہ دوبارہ اس کو جواب دینا ہوگا، اگر نہیں دیا تو

گنہگار ہوگا، ''واتفقوا على أنه لو قال في الجواب "عليكم" لم يكن جواباً''۔

(۱۰) اور اگر کوئی آخر میں السلام کا اضافہ نہ کرے البتہ شروع میں واو بڑھا دے اور جواب میں ''وعلیکم'' کہے تو اس کے جواب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جواب کی ادائیگی ہوجائے گی، دوسرا قول یہ ہے کہ جواب کی ادائیگی نہیں ہوگی، پہلے قول کے مطابق اگر چہ وجوب ذمہ سے ساقط ہوجائے گا لیکن علی وجہ المسنون نہ ہونے کی وجہ سے نقص ضرور آئے گا، ''فلو قال وعليكم بالواو فهل يكون جواباً فيه وجهان'' (مرقاۃ ۳۶۰/۴، الفتاوی الهندیہ ۳۲۵/۵، ناقلاً عن التاتارخانیہ، ردالمحتار ۲۶۶/۵، کتاب الاذکار للنووی ۲۰۹)۔

(۱۱) اور اگر کوئی شخص السلام علیکم کے بجائے ''علیک السلام'' یا بعلیک السلام'' کہے تو یہ سلام نہیں کہلائے گا، لہذا اس ترتیب سے سلام کرنے والا جواب کا مستحق نہیں، اس لئے کہ یہ مردوں کا سلام ہے زندوں کا سلام ''السلام علیکم'' ہے، جیسا کہ حضرت جابر ابن سلیمؓ کی روایت ہے کہ میں حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ''علیک السلام'' کہا، حضور ﷺ نے فرمایا علیک السلام نہ کہا کرو بلکہ السلام علیکم کہا کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا علیک السلام یہ مردوں کا سلام ہے، زندوں کا سلام ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' ہے (ترمذی شریف ۹۷/۲ باب ماجاء فی کراهية أن يقول عليك السلام مبتدء اً، وابوداؤد شریف ۳۵۱/۲ باب کراهية أن يقول عليك السلام)۔

اسی روایت کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں:

”ولا یبتدئ بقوله علیک السلام ولا بعلیکم السلام لما فی سنن أبی داؤد والترمذی وغیرهما بالأسانید الصحیحة عن جابر بن سلیمؓ قال أتیت رسول اللهﷺ فقلت علیک السلام یا رسول الله قال لا تقل علیک السلام فإن علیک السلام تحیة الموتی قال الترمذی حدیث حسن صحیح.

ویؤخذ منه أنه لا یجب الرد علی المبتدئ بهذه الصیغة الخ“ (شامی ۵/۲٦۷)۔

ابتداء بالسلام کی فضیلت:

(۱)”عن أبی أمامة قال قال رسول اللهﷺ إن أولی الناس بالله تعالی من بدأهم بالسلام“ (ابوداؤد ۲/۳۵۰ باب فی فضل من بدأ بالسلام)

(حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشادفرمایا لوگوں میں اللہ سے نزدیک تر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے) (ابوداؤد)۔

اس فضیلت کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو راستہ میں ایک دوسرے سے ملیں کیونکہ اس صورت میں سلام کرنے کے حق میں دونوں کی حیثیت برابر ہے، لہذا ان میں سے جو پہلے سلام کرے گا وہ مذکورہ بالا فضیلت کا مستحق ہوگا جیسا کہ ترمذی شریف

کی روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، حضرت ابوامامہؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا:
"الرجلان يلتقيان أيهما يبدأ بالسلام قال أولاهما بالله هذا حديث حسن" (ترمذی شریف ۲/۹۴ باب ما جاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام)۔

لیکن اگر کوئی شخص بیٹھا ہو اور دوسرا آدمی اس کے پاس آئے تو آنے والے پر یہ حق ہے کہ وہ سلام کرے لیکن اگر سلام کرنے میں وہ پہل کرگیا جو بیٹھا ہوا تھا تو مذکورہ بالا فضیلت کا یہ مستحق ہوگا (مظاہر حق جدید صفحہ ۴۴۳ جلد ۴ قسط ۲)۔

"عن عبد الله عن النبی ﷺ قال البادئ بالسلام برئ من الكبر" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، کذا فی المشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت عبداللہ (ابن مسعود) نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے) (بیہقی)۔

گویا کہ سلام میں پہل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خداوند قدوس نے اس کو تکبر سے پاک کردیا ہے اس کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

سب سے زیادہ بخیل کون؟

"عن جابر قال أتى رجل النبی ﷺ فقال لفلان فی حائطی عذق وإنه قد أذانی مكان عذقه فأرسل النبی ﷺ أن بعنی عذقک قال لا قال فهب لی قال لا قال فبعنيه بعذق فی الجنة فقال لا فقال رسول الله ﷺ ما رأيت الذی هو أبخل منک إلا الذی يبخل

بالسلام"(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میرے باغ میں فلاں شخص کا کھجور کا درخت ہے اور صورت حال یہ ہے کہ وہاں اس درخت کے ہونے سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے (کیونکہ وہ شخص اپنے اس درخت کی وجہ سے وقت بے وقت میرے باغ میں آتا جاتا ہے) چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے کسی کو (اس شخص کے پاس) بھیجا (تاکہ اسکو بلالائے جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا (کہ تم اپنا کھجور کا درخت میرے ہاتھ فروخت کردو، اس نے کہا میں فروخت نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ (اگر اس درخت کو بیچنے میں تمہیں کوئی عار محسوس ہوتا ہے تو) اس کو میرے نام ہبہ کردو، اس نے کہا میں ہبہ بھی نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اس درخت کو تم میرے ہاتھ کھجور کے ایسے درخت کے عوض فروخت کردو جو تمہیں جنت میں ملے، اس نے کہا میں اس طرح بھی فروخت نہیں کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تم سے بڑا بخیل کسی شخص کو نہیں دیکھا علاوہ اس شخص کے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے، یعنی سلام کے معاملہ میں کوتاہی کرنے والا شخص تم سے بھی بڑا بخیل ہے کہ وہ اتنا ذرا سا کام کر کے بھی زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنا نہیں چاہتا (بیہقی، احمد)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سب سے زیادہ بخیل وہ شخص ہے جو سلام میں بخل کرے۔

تنبیہ:

حضور پاک ﷺ کا مالک سے یہ کہنا بطور سفارش کے تھا بطور حکم کے نہیں تھا ورنہ مالک کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، قبول کرنا ہی پڑتا۔

”**کان سوم رسول اللہ ﷺ إیاہ شفاعة منه لا أمراً وإلا لوجب علیه قبوله**“۔

تاہم مالک کا انکار مقام ادب سے ہٹ کر ہے، باوجودیکہ مسلمان تھا ”**قال الطیبی یشعر بأن الرجل کان مسلماً**“، اسی وجہ سے شراح حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مالک کٹر دیہاتی ہو، ”**ولعل الرجل کان من جفاۃ العرب**“ یا بہت زیادہ غصہ کی حالت رہی ہو جس کی وجہ سے مقام ادب ذہن سے اتر گیا ہو، ”**أو وقع له المقال فی کمال غضبه من الحال حتی غفل عن مقام الأدب**“۔

فائدہ:

اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر دو آدمیوں میں اختلاف ہو، کشیدگی ہو، منازعت ہو، تو بیچ میں پڑکر مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے، ”**وفی الحدیث استحباب المصالحة بین المتخاصمین**“ اگرچہ کامیابی حاصل نہ ہو کوشش میں ناکام ہو جائے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے کوشش کی مگر دوسرا فریق راضی نہیں ہوا (مرقاۃ ۴/۱۵۷)۔

غرضیکہ سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے اور اس کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں:

"أعجز الناس من عجز في الدعاء وأبخل الناس من بخل بالسلام للكبير" (جمع الفوائد ۴/۱۷)۔

(لوگوں میں عاجز ترین شخص ہے وہ جو دعا مانگنے میں عاجز ہو (کہ اللہ کریم جس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے پھر بھی کچھ نہ مانگے) اور لوگوں میں بخیل ترین وہ ہے جو سلام میں بخل کرے (کہ کسی مسلمان بھائی کو سلامی کی دعا دینا اور ثواب حاصل کرنا بھی گوارہ نہ ہو)۔

حضور ﷺ کی چند نصیحتیں:

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ کی دس سال خدمت کی لیکن کسی کام کے بارہ میں کبھی یہ نہیں فرمایا یہ کام کیوں کیا (اگر میں نے کرلیا اور اگر نہیں کیا تو) کیوں نہیں کیا، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے انس (رضی اللہ عنہ) میں تم کو چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو محفوظ کرلو (تا کہ آئندہ یاد رہے):

(۱) رات میں نمازیں خوب پڑھا کرو (آگے حضور ﷺ نے اس کا فائدہ بیان کیا) وہ فرشتے جو تمہاری حفاظت کے لئے مقرر ہیں تم سے پیار ومحبت رکھیں گے۔

(۲) جب اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو سلام کرلیا کرو اس سے تمہارے اہل وعیال اور روزی میں برکت ہوگی۔

(۳) اگر باوضوسونے کی عادت ڈال سکو تو اس کی بھی عادت بنالینا اس لئے کہ اگر اسی حالت میں مر گئے تو شہداء میں تمہارا شمار ہوگا۔

(۴) جب گھر سے نکلو تو جتنے لوگوں سے ملاقات ہو ان سب کو سلام کیا کرو، اس سے اللہ تعالی تمہاری نیکیاں بڑھادے گا۔

(۵) اپنے سے بڑوں کی تعظیم کرنا اور اپنے سے چھوٹوں پر رحم کرنا، ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ رکھنا۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اے انس اگر تم نے ان باتوں کو معمول بہا بنالیا تو جنت میں ہم اور تم ان دوانگلیوں کی طرح ہوں گے، حضور ﷺ نے سبابہ (شہادت) اور وسطی (بیچ کی انگلی) کو ملا کر دکھلایا۔ یعنی تم اس طرح قریب ہوگے جس طرح دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں (درۃ الناصحین/۵۸)۔

اس روایت کا چوتھا نمبر قابل غور ہے جس کی وجہ سے اس روایت کو لیا ہے، ویسے ہر نمبر اپنی جگہ مہتم بالشان اور عظیم الشان اور قابل اعتناء والتفات ہے۔

خداوند قدوس ہر نمبر پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

افشاء سلام کی جزا شیش محل:

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک بالا خانہ ہے جس کو مختلف

رنگ سے آراستہ کیا گیا ہے اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اندر سے باہر کا راستہ اور باہر سے اندر کا حصہ دکھلائی دیتا ہے (گویا کہ شیش محل ہے) اس بالا خانہ میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ ان نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ ان نعمتوں کا خیال کسی مؤمن کے دل میں آیا ہے (ان اوصاف کے بیان کرنے کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام کے دلوں میں شوق پیدا ہوا فوراً سوال کیا) یا رسول اللہ ﷺ یہ بالا خانہ کن لوگوں کو نصیب ہوگا، حضور ﷺ نے فرمایا یہ بالا خانہ (شیش محل) ان لوگوں کو ملے گا جنھوں نے سلام کو عام کیا، مسکینوں محتاجوں کو کھانا کھلایا، ہمیشہ روزہ رکھا، سارے لوگوں کے سونے کے وقت (رات) میں اپنے کو عبادت میں مشغول رکھا۔

حضرات صحابہؓ نے حضور ﷺ کے اس فرمان کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کون ہے جس میں ان کاموں کے کرنے کی طاقت ہو؟

حضور ﷺ نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ابھی تم لوگوں کو بتلاتا ہوں کہ کون ہے جس میں ان کاموں کے کرنے کی سکت ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر ایک کی وضاحت کی۔

(۱) سنو جس شخص کی ملاقات کسی مسلمان بھائی سے ہوئی اور اس کو سلام کر لیا تو ایسے شخص نے افشاء سلام کی ذمہ داری گویا کہ پوری کر دی۔

(۲) اور جس شخص نے اپنے بال بچوں کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دیا اس نے گویا اطعام طعام کو انجام دیا۔

(۳) اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے بھی

رکھ لئے وہ صائم الدہر کی فہرست میں آ گیا۔

(۴) اور جس آدمی نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کی وہ قائم اللیل کے درجہ میں ہو گیا (درۃ الناصحین ۵۹)۔

اس روایت میں سلام کے عام کرنے والوں کے لئے کتنی بڑی فضیلت ہے کہ خداوند قدوس اس کے صلہ میں جنت میں ایک شیش محل عنایت فرمائیں گے اور اس میں رہنے والوں کو عجیب عجیب قسم کی نعمتوں سے نوازیں گے، اللھم اجعلنا منھم۔

مسائل:

جس طریقہ سے سلام زبانی پیش کیا جاتا ہے اسی طرح خط وکتابت کی ابتداء میں بھی مکتوب الیہ کو تحریری سلام پیش کرنا مسنون ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ علاء حضرمیؓ جب حضور پاک ﷺ کو خط لکھا کرتے تھے، ''بدأ بنفسہ'' اپنے نام سے شروع کرتے تھے (مشکوۃ ۲/۳۹۹)، پھر سلام لکھتے، اس کے بعد خط کا مضمون شروع فرماتے، ''من العلاء الحضرمی إلی رسول الله ﷺ السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته'' اس روایت کے تحت ملا علی قاری شارح مشکوۃ لکھتے ہیں: ''اقتدأ به ﷺ لأنه کان یفعل ذلک'' (مرقاۃ ۴/۵۶۴)۔

حضرت علاء حضرمی کا یہ طریقہ (کہ پہلے اپنا نام لکھتے پھر سلام پھر مضمون خط شروع فرماتے) حضور پاک ﷺ کی اقتداء میں تھا چونکہ آپ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

خط وکتابت میں حضورﷺ کا معمول:

چنانچہ حضور پاکﷺ کے بہت سے مکاتیب ایسے ملتے ہیں جن میں مذکورہ بالا طرز کو اختیار کیا ہے جس سے اس امر کی تعیین ہوجاتی ہے کہ حضورﷺ جس طرح ابتداء میں سلام لکھا کرتے تھے اسی طرح سلام سے پہلے اپنا نام اور اپنے نام سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا معمول تھا اور سلام سے پہلے مرسل الیہ کا نام بھی تحریر فرماتے۔

(۱) چنانچہ حضورﷺ نے حضرت معاذؓ کے صاحبزادہ محترم کے وصال پر جو تعزیتی خط بھیجا اس کی بھی ترتیب وہی تھی جو اوپر بیان کی گئی یعنی پہلے بسم اللہ الرحمٰن لکھا اس کے بعد مرسل یعنی اپنا نام لکھا اس کے بعد مرسل الیہ یعنی حضرت معاذؓ کا نام لکھا اس کے بعد سلام پھر تعزیتی مضمون شروع فرمایا "**بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل سلام عليك فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو أما بعد**" الحدیث (رواہ الحاکم، مرقاۃ ۴/۵۶۴)۔

(۲) اسی طرح حضورﷺ نے حضرت منذر ابن ساوی کو ان کے مسلمان ہونے کے بعد جو خط لکھا ہے اس کی بھی ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبلؓ کے خط کی ترتیب ہے، چنانچہ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں اس کو نقل کیا ہے (۴/۴۲۰) "**بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى منذر بن ساوى سلام عليك فإني أحمد الله إليك**" الحدیث۔

(۳) اسی طرح ہرقل کو حضور ﷺ نے خط لکھا اس کی بھی ترتیب وہی تھی۔ صرف سلام میں فرق تھا، ہرقل کو **سلام علی من اتبع الھدی** لکھا، سلام علیک تحریر نہیں فرمایا کذافی مرقاۃ ۵۶۴/۴)۔

خط وکتابت کا نبوی طریقہ:

علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں شیخ قطب الدین فرماتے ہیں کہ مکاتیب نبوی کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ خط وکتابت میں سنت یہ ہے کہ اپنا نام پہلے لکھے اس کے بعد جس کے پاس بھیج رہا ہے اس کا نام لکھے یہی اکثر علماء محققین کا قول ہے۔

حماد ابن زید کہتے ہیں لوگ خطوط اسی طرح لکھا کرتے تھے فلاں ابن فلاں کی جانب سے فلاں ابن فلاں کے نام، اُمابعد۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ بھی اسی ترتیب سے اپنے خطوط لکھا کرتے تھے۔

ابوجعفر اور نحاس فرماتے ہیں یہی صحیح ہے (عمدۃ القاری ۹۹/۱)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان روایات ومکاتیب نبوی واقوال علماء محققین سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ خط وکتابت کا نبوی (سنت) طریقہ یہی ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے اس کے بعد اپنا نام پھر مکتوب الیہ کا نام مکتوب الیہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ مسلمان ہو یا کافر، اس کے بعد اگر مسلمان ہو تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لکھے اور اگر کافر ہو **السلام علی من اتبع الھدی** لکھے۔ اس کے بعد جو لکھنا ہو لکھے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک مکتوب:

استبراکاً عارف باللہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کا ایک مکتوب گرامی جو اپنے ایک مسترشد کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا یہ ناکارہ نقل کرتا ہے جو مضمون ماسبق کی توضیح وتائید میں ہے۔

سوال:

احقر کی عادت عام طور پر خط لکھنے میں یہی ہے کہ اوپر اپنا نام لکھ کر نیچے مکتوب الیہ کے القاب وغیرہ لکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ طریق سنت بھی یہی ہے مگر بڑوں کو بالخصوص حضرت والا کی خدمت میں اس طرح لکھنے سے طبیعت ہمیشہ رکتی ہے آج بیساختہ اسی طرح لکھا گیا خیال آیا تو کاٹ دینے کا ارادہ ہوا پھر سمجھ میں آیا کہ حضرت والا سے دریافت ہی کرلوں کہ یہ طبیعت کا رکنا محض رسم ورواج کی بناء پر ہے اور غیر محمود ہے یا منشاء ادب ہونے کی وجہ سے ہے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر متنبہ فرماویں گے۔

جواب:

ادب کے خیال سے محمود ہے مگر بالغیر، یعنی للادب اور سنت محمود بالذات، اور محمود بالذات کو ترجیح ہوگی محمود بالغیر پر، یہ تو اصول شرعیہ کے اعتبار سے جواب ہے، اور اس میں ایک عقلی مصلحت بھی ہے کہ اخیر میں اپنا نام لکھنے میں بعض اوقات کسی

عارض سے ذہول جاتا ہے، "وقد جرّبناه غير مرة" (اور ہم نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا ہے) اور ایک طبعی مصلحت بھی ہے کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جائے اگر خط بھی نہ پہچانتا یا پہچانتا ہو مگر کسی عذر سے کاتب نے دوسرے سے لکھوایا ہو تو پہچاننے سے مضمون کے ہر جزو سے خاص اثر لیتا رہے گا، اور ابہام کی صورت میں اس میں غلطی ہوسکتی ہے پھر آخر میں نام دیکھ کر تبدیل کی کلفت ہوگی۔

بہر حال شرعاً وعقلاً وطبعاً ہر طرح یہی طریقہ محمود ہے لیکن اگر کسی کی ان مقتضیات پر نظر نہ جاوے اور وہ اس تقدیم سے بخیال ادب بچے تو اس کو تارک سنت بھی نہ کہیں گے کیونکہ یہ سنت عادت ہے، عبادت نہیں، جس پر بالذات وعدہ اجر اور ترک میں کراہت ہو، واللہ اعلم (وصیۃ العرفان/۳۸، ۳۹، فروری ۱۹۸۲ء)۔

تحریری سلام کا جواب بھی واجب ہے:

علامہ علاء الدین حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں زبانی سلام کا جواب جس طرح واجب ہے اسی طرح تحریری سلام کا جواب بھی واجب ہے "ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام" (درمختار ۵/۲۶۶)۔

(استیقاظ) اکثر حضرات سے یہ چوک ہو جاتی ہے کہ خط پڑھتے وقت شروع سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور سلام کا جواب نہیں دیتے، اس کی طرف ذہن جاتا ہی نہیں کہ مرسل نے سلام لکھا ہے اس کا بھی جواب دینا ضروری ہے، اکثر حضرات اس مسئلہ سے یا تو بے خبر ہیں یا اس کا اہتمام نہیں، اسی وجہ سے علامہ سید احمد طحطاوی نے

اس پر تنبیہ کی ہے، لکھتے ہیں کہ تحریری سلام زبانی سلام کی طرح ہے لہذا اس کا بھی جواب واجب ہے لیکن اکثر لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، ”(قوله ويجب رد كتاب التحية) لأن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبى والناس عنه غافلون اه“ (طحطاوی علی الدر ۴/۲۰۷)۔

توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جونہی خط پڑھنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پر پہنچے اس کا جواب دے اور علامہ ابن عابدین کی تصریح کے مطابق فوراً جواب دینا واجب ہے۔

”ولو أتاه شخص بسلام من شخص أى فى ورقة وجب الرد فوراً“ (ردالمحتار ۵/۲۶۶)۔

علامہ عبد الرؤف المناوی شارح الجامع الصغیر للسیوطی کے حوالہ سے علامہ شامی نے جواب میں یہ تعمیم کردی ہے کہ مکتوب الیہ کو اختیار ہے چاہے فوراً زبانی جواب دیدے یا خط ہی پر لکھ دے اور مراسلہ کے ذریعہ جواب پہنچادے جیسا کہ اس ناکارہ نے بعض اکابرین کو دیکھا ہے کہ جس وقت وہ خط پڑھتے ہیں اسی وقت سلام کا جواب سلام کے نیچے تحریر فرمادیتے ہیں۔

”قال شارحه المناوى أى إذا كتب لك رجل بالسلام فى كتاب أو وصل إليك وجب عليك الرد باللفظ أو بالمراسلة“ (رد المحتار)۔

”وهكذا فى الأذكار للنووى، كتب كتاباً فيه السلام عليك

يا فلان أو السلام على فلان أو أرسل رسولاً وقال سلم على فلان فبلغه الكتاب أو الرسول وجب عليه أن يرد السلام وكذا ذكر الواحدى وغيره أيضاً أنه يجب على المكتوب إليه رد السلام إذا بلغه السلام اه"(۲۱۱)۔

ضروری تنبیہ:

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ابتداء مراسلہ میں لفظ ''سلام مسنون'' لکھنے کے عادی ہیں اور غالباً بے ساختہ الفاظ کے بعد یہ لفظ زیرِ قلم آجاتا ہوگا، لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس جملہ سے اس سلام کی ادائیگی نہیں ہوتی جس کے افشاء کے ہم مامور ہیں، اور جس کی ادائیگی پر ثواب کا ترتب ہے، نیز ''سلام مسنون'' کا استعمال نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً، البتہ رسماً درست ہے نقلاً تو اس وجہ سے نہیں کہ حضور ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں، آپ ﷺ کے مکاتیب میں سلام علیک وغیرہ کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی، **فليطالع ثانياً لعنان العناية ثانياً۔**

اسی طرح عقلاً بھی درست نہیں ورنہ تو ہر آدمی پھر ثناء مسنون، درود مسنون، ذکر مسنون، تلاوت مسنون کی تسبیح پڑھ لیا کرے یا لکھ دیا کرے گا ثواب مل جایا کرے گا، کیا ضرورت ہے محنت کرنے کی، اس لئے کہ جس طرح سلام مسنون ہے اسی طرح درود، ثناوغیرہ بھی مسنون ہے، لیکن یہاں پر کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ اس

کہنے کی وجہ سے یا لکھنے کی وجہ سے وہ ثناء ودرود شریف کے ثواب کا مستحق ہوگا پھر سلام میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سلام مسنون لکھنے کی وجہ سے سنت کی ادائیگی ہو جائے گی، نیز حدیث پاک میں تصریح ہے کہ السلام علیکم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جس کی تفصیل گذر چکی ہے نیز عالمگیری، مرقاۃ، الاذکار للنووی کے حوالہ سے یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ سلام کی ادائیگی جن الفاظ سے ہوتی ہے اس کی اقل مقدار السلام علیکم ہے اسی وجہ سے اس کی بھی تصریح ہے کہ اگر کوئی شخص صرف السلام کہے تو اس کو سلام کرنے والا نہیں کہیں گے اور اس کا جواب دینا ضروری نہیں، نیز علامہ طحطاوی کے حوالہ سے ''استیقاظ'' کے تحت یہ بات بھی گذر چکی ہے، ''الکتاب کالخطاب'' تو جب خطاب کی حالت میں ''سلام مسنون'' یا صرف 'السلام' کہنے سے سلام کی ادائیگی نہیں ہوتی اور اس کا جواب ضروری نہیں ہوتا تو پھر کتابت وتحریر میں سلام مسنون یا السلام لکھنے سے سلام کی ادائیگی کیسے ہو جائے گی۔

غرضیکہ نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً لہذا سواء رسم ورواج کے اس کو اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے، بس ایک رسم ہے اس کی تقلید آنے والی نسل کر رہی ہے جب اس کا رسم ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے لئے بلا فائدہ ہونا لازم ہے اور بلا فائدہ کام کے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں لہذا اس کی جگہ 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' لکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ یہی سنت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے یہی اپنے اکابرین ومشائخ حقہ کا معمول رہا ہے۔

غائبانہ سلام:

”عن غالب قال أنا جالس بباب الحسن إذ جاء رجل فقال حدثنی أبی عن جدی قال بعثنی أبی إلی رسول اللهﷺ فقال ائته فاقرأه السلام فأتيته فقلت إن أبی يقرئک السلام فقال عليک وعلی أبيک السلام“ (ابوداؤد شریف۲/۳۵۴ باب فی الرجل یقول فلان یقرئک السلام)۔

حضرت غالبؒ کہتے ہیں (ایک دن) ہم حضرت حسن (بصریؒ) کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ مجھ سے میرے باپ نے اور ان سے ان کے باپ نے (یعنی میرے دادانے) بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے رسول کریمﷺ کی خدمت میں بھیجتے ہوئے کہا کہ تم آنحضرتﷺ کے پاس جاؤ اور آپﷺ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرو، میرے دادا نے بیان کیا کہ (اپنے باپ کے حکم پر) میں آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے حضورﷺ نے (یہ سنکر) فرمایا ”عليک وعلی أبيک السلام“ تم پر اور تمہارے باپ پر سلامتی ہو) (ابوداؤد)۔

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔جس طرح زبانی وتحریری سلام پیش کیا جاتا ہے اسی طرح بغیر کسی رقعہ وتحریر کے کسی قاصد کے ذریعہ بھی سلام پہنچایا جاتا ہے۔

۲۔جس طرح زبانی وتحریری سلام کا جواب دینا ضروری ہے اسی طرح اگر کسی قاصد کے ذریعہ سلام پہنچے تو اس کا بھی جواب دینا ضروری ہے، چنانچہ علامہ نووی نے اس کی تصریح کی ہے: ''فصل إذا بعث إنسان مع إنسان سلاماً فقال الرسول فلان يسلم عليک فقد قدمنا أنه يجب عليه أن يرد على الفور .... فيقول وعليک وعليه السلام وروينا في سنن أبي داؤد عن غالب القطان عن رجل قال الحديث'' (الاذکار/۲۱۲) علامہ نووی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ فوراً جواب دینا ضروری ہے۔

۳۔ جواب میں قاصد کو بھی شامل کرے جیسا کہ حضور ﷺ نے شامل کیا بقولہ علیک۔

۴۔ جواب میں قاصد (سلام پہنچانے والے) کو مقدم کرے اور غائب (سلام کہلوانے والے) کو مؤخر کرے، فقہا احناف میں سے امام محمدؒ نے ان جیسی روایات کے تحت تصریح کی ہے کہ مبلغ کو غائب پر جواب میں مقدم کیا جائے چنانچہ عالمگیری میں ذخیرہ کے حوالہ سے منقول ہے:

''ذكر محمدؒ في باب الجعائل من السير حديثاً يدل على أن من بلغ إنساناً سلاماً من غائب كان عليه أن يرد الجواب على المبلغ أولاً ثم على ذلک الغائب، كذا في الذخيرة'' (الفتاوی الھندیہ/۳۲۶)۔

اورعلامہ سید احمد طحطاوی نے اس تقدیم کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ مبلغ (سلام)

پہنچانے والا) نے سلام پہنچا کر جو ایک احسان کیا ہے گویا کہ بزبان حال هل جزاء الاحسان إلا الاحسان کے تحت جزاء احسان کا مطالب ہے لہذا مجیب کو بھی چاہئے کہ هل جزاء الاحسان إلا الاحسان کا خیال رکھتے ہوئے مطالب حاضر کا بدلہ پہلے چکا دے اس کے بعد مطالب غائب کے ایجاب کو اپنے ذمہ سے ساقط کرے۔ "وكأن الأول طلب لكونه أحسن إليه بإبلاغه السلام فهل جزاء الإحسان إلا الإحسان" (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۴/۴۰۷)۔

۵۔ جواب دینے والا سلام بھیجنے والے کا نام لے مثلاً اس طرح جواب دے علیک وعلی فلان السلام اور اگر مبلغ ومرسل کا رشتہ معلوم ہو تو نام کے بجائے اس رشتہ کو ذکر کردے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا 'علی أبیک' چونکہ مبلغ مرسل کا بیٹا تھا پس اگر کہیں مرسل مبلغ کا دادا ہو تو علی جدک کہے اگر ماں ہو تو علی اُمک کہے علی ہذا القیاس۔

لیکن نسائی شریف میں حضرت انسؓ کی ایک مرفوع روایت ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نام یا رشتہ کی وضاحت ضروری نہیں اگر مجیب وعلیک وعلیہ السلام کہہ دے تو بھی کافی ہے "أو وعليك وعليه السلام رواه النسائي مرفوعاً" (مرقاۃ ۴/۵۶۴)۔

اور حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے جس میں "السلام" کے بعد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا بھی اضافہ ہے، "کذا فی مرقاۃ المفاتیح" حاصل کلام یہ کہ نام کی وضاحت کردے تو کوئی حرج نہیں اور اگر وضاحت نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں اور اگر

وضاحت نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں، نیز اولی یہی ہے کہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ کرلے، جیسا کہ زبانی وتحریری سلام کے جواب میں ملانا اولی ہے چونکہ، زبانی، تحریری، غائبانہ، تینوں سلام ایک درجہ میں ہیں اور تینوں کا جواب واجب ہے لہذا اولویت وعدم اولویت کا جو حکم ایک کے لئے ہوگا وہی حکم دوسرے کے لئے بھی ہوگا الا باستثناء الشارع أو الفقہا، اگرچہ جواب کی ادائیگی صرف وعلیہ السلام سے بغیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ملائے اور اضافہ کئے ہوجائے گی، فافہم۔

ضمنی مسائل:

(۱) شیخ کبیر علامۃ الدہر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہ بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں تحریر فرماتے ہیں کہ جواب دینے والے کے لئے دونوں جائز ہے مبلغ کو جواب میں شریک کرے یا نہ کرے یعنی وعلیک وعلیہ السلام کہے یا صرف وعلیہ السلام پر اکتفا کرجائے (بذل ۲/۱۷۱)۔

"فالأمران جائزان سواء اقتصر على الأصل أو شرک المبلغ أیضاً فی الجواب"۔

اور علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں کہ مبلغ کو جواب میں شریک کرلینا مستحب ہے لہذا مجیب کے لئے مستحب یہ ہے کہ "وعلیک وعلیہ السلام" کہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے نقل کیا ہے، **"وقال أیضاً ویستحب أن یرد على المبلغ أیضاً فیقول وعلیک وعلیه السلام"** (ردالمحتار ۵/۲۶۶)۔

علامہ نوویؒ بھی استحباب ہی کے قائل ہیں جیسا کہ حلیۃ الابرار وشعار الاخیار میں اس کی تصریح ہے، "ویستحب أن یرد علی المبلغ أیضاً فیقول وعلیک وعلیه السلام" (۲۱۲)۔

لیکن علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ علی الدر میں وجوب کا قول کیا ہے، "وهل الرد علی المبلغ واجب ظاهر عبارة الإمام محمد نعم" (طحطاوی علی الدر المختار ۴/۲۰۷)۔

"لکن قال فی التاتارخانیة ذکر محمد حدیثاً یدل علی أن من بلغ إنساناً سلاماً عن غائب کان علیه أن یرد الجواب علی المبلغ أولا ثم علی ذلک الغائب اه وظاهره الوجوب تأمل" (رد المحتار ۵/۲۶۷)۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی وجوب کا قول مروی ہے، "وزاد عن ابن عباس یجب" اھ (رد المحتار ۲۶۶)۔

قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ برد اللہ مضجعہ نے بھی علامہ شامی کے رجحان کا تذکرہ بذل المجہود کے حاشیہ پر کیا ہے، "لکن ظاهر ابن عابدین وجوب التشرک عن محمد واستحبابه عن غیره اه" (بذل ۲۰/۱۷۱)۔

حاصل کلام یہ کہ جس طرح سلام بھیجنے والے کا جواب واجب ہے اسی طرح جواب میں سلام پہنچانے والے کو شریک کرنا بھی واجب ہے، فافہم۔

(۲) پیغام سلام ایک امانت ہے جس کا پہنچانا واجب ہے اس لئے پیغام

لے جانے والے کو چاہئے کہ پہلے خوب سوچ لے کہ اس امانت کی ادائیگی ہو سکے گی یا نہیں، اگر یقین ہو تو قبول کرے ورنہ انکار کر دے، ایسی صورت میں اگر نہ پہنچا سکا تو گناہ نہیں ہوگا، یا شروع ہی میں صاف کہہ دے کہ بھائی دیکھو وعدہ نہیں اگر موقع رہا یا در ہا تو پہنچا دوں گا ورنہ میری کوئی ذمہ داری نہیں پھر نہ پہنچا سکا تو کوئی حرج نہیں گنہگار نہیں ہوگا۔

"وإذا أمر رجلاً أن يقرأ سلامه على فلان يجب عليه ذلک كذا في الغياثية" (فتاوی ہندیہ ۳۲۶/۵)۔

"ولو قال الآخر اقرأ فلاناً السلام يجب عليه ذلک" (درمختار ۲۶۶/۵)۔

"لأنه من ايصال الأمانة لمستحقها" (طحطاوی علی الدر ۲۰۷/۴)۔

"والظاهر أن هذا إذا رضى بتحملها تامل" (ردالمحتار ۲۶۶/۵)۔

"إن الرسول إن التزمه أشبه الأمانة وإلا فوديعة أى فلا يجب عليه الذهاب لتبليغه كما في الوديعة" (ردالمحتار)۔

(۳) اگر کوئی شخص خط میں کسی کو سلام لکھے تو اس کا بھی پہنچانا ضروری ہے لیکن عام طور سے اس مسئلہ میں تساہل برتا جاتا ہے، یہ امر بھی قابل لحاظ ہے۔

(۴) حجاج کرام جب حج کرنے تشریف لے جاتے ہیں تو اکثر حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہلواتے ہیں کہ روضہ اقدس پر میری طرف سے سلام پہنچا دینا اس سلام میں بھی وہی مذکورہ بالا تفصیل ہے کہ اگر پہنچانے پر حاجی صاحب راضی ہو گئے

اور التزام کرلیا تو اس کا نام لے کر سلام پہنچانا واجب ہے۔ اگر نہیں پہنچا سکے تو حاجی صاحب گنہگار ہوں گے اور اگر وعدہ نہیں کیا یا راضی نہیں ہوئے التزام نہیں کیا تو پھر نہ پہنچانے کی صورت میں گنہگار نہیں ہوں گے۔

"وتبليغه سلام من أوصاك فتقول السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان الخ ذكروا أن تبليغ السلام واجب لأنه من أداء الأمانة" اھ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۴۰۷)۔

"وهكذا في رد المحتار ۲۶۶/۵ قال الشرنبلالي وهكذا عليه تبليغ السلام إلى حضرة النبي ﷺ عن الذي أمر به"۔

(۵) فائدہ: اگر کوئی شخص اپنے پیر یا استاذ یا والدین یا اپنے سے کسی بڑے کو خط لکھے تو ادب کی بات یہ ہے کہ دوسروں کا سلام اس میں نہ لکھے، سلام کی فہرست لکھ کر بڑے کو اپنا محکوم و مامور بنانا ہے، اور اگر مکتوب الیہ چھوٹا ہو یا ہم عمر و ہم عصر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

کافروں سے خط و کتابت کا نبوی کا طریقہ:

لگے ہاتھ اس مسئلہ کو بھی صاف کر لینا ضروری ہے کہ کسی کافر کو اگر خط لکھنا ہو تو اس کو سلام لکھنا چاہئے یا نہیں؟ اس باب میں حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ "السلام على من اتبع الهدى" تحریر فرمایا کرتے تھے، آپ نے ہرقل کو خط لکھا تو السلام علیک کے بجائے السلام على من اتبع الهدى تحریر فرمایا، اسی طرح جتنے

کافروں کے پاس حضور ﷺ نے اپنے مکاتیب بھیجے ان سب میں سلام لکھا مگر مذکورہ بالا سلام، السلام علیکم تحریر نہیں فرمایا، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر کافر کو کسی ضرورت کی بنیاد پر خط لکھنا ہو تو "السلام علی من اتبع الھدی" لکھے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نے تاتارخانیہ کے حوالہ سے امام محمدؒ کا جو فرمان نقل کیا ہے وہ بالکل صریح ہے۔

"وفی التاتارخانیة قال محمد إذا کتبت إلی یھودی أو نصرانی فی حاجة فاکتب السلام علی من اتبع الھدی اہ" (رد المحتار ۵/۲۶۴)۔

علامہ سید احمد طحطاوی نے بھی یہی بات ہندیہ کے حوالہ سے نقل کی ہے (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۴/۲۰۶)۔

حاصل کلام یہ کہ اگر کسی مسلمان کو کسی ضروت کی بنیاد پر کسی کافر کے پاس خط بھیجنا ہو تو "السلام علیکم" نہیں لکھنا چاہئے بلکہ "السلام علی من اتبع الھدی" لکھنا چاہئے حضور اور اقوال فقہاء سے اسی کا ثبوت ملتا ہے وھکذا فی الأذکار للنووی ۲۱۷/ (فروع)۔

کافروں کو سلام کرنے کا مسئلہ:

(۱) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کسی کافر کو ابتداءً سلام کرے جیسا کہ

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے تصریح کی ہے "لا یجوز البدایة بالسلام علی الکفار" (مظہری ۲/۳۶۵) کافروں کو سلام کرنے میں پہل کرنا جائز نہیں ہے، ہکذا فی الاذکار ۲۱۶، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم راستے میں ان میں سے کسی سے ملو تو ان کو تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کرو، ابوداؤد شریف ۲/۳۵۱ باب فی السلام علی أہل الذمۃ)۔

ملا علی قاریؒ "الی اضیقہ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر راستہ کے کنارہ دیوار ہو تو دیوار سے چپک جائے یعنی اتنا کنارے کر دیا جائے کہ اس کی تحقیر کی انتہاء ہو جائے ورنہ تو کم از کم یہ حکم دے کہ بیچ راستے سے ہٹ جائے تا کہ اس کی حیثیت نمایاں نہ رہے، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہیکہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل کرنا حرام ہے، "فالصواب تحریم ابتدائھم" (مرقاۃ ۴/۵۵۶)۔

(۲) لیکن اگر سلام نہ کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو یا کوئی خوف ہو تو ایسی صورت میں ضرورۃً سلام کرنے کی اجازت ہے، لیکن "السلام علیکم" کے بجائے "السلام علی من اتبع الھدی" کہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے، "لکن فی الشرعیة إذا سلم علی أهل الذمة فلیقل السلام علی من اتبع الهدی" (ردالمحتار ۵/۲۶۴)۔

اور یہی بات ملا علی قاری نے بھی قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھی ہے، "وحکی القاضی عیاض عن جماعة أنه یجوز ابتدائهم للضرورة والحاجة"۔ لیکن ملا علی قاری کی رائے یہ ہے کہ اصلح یہی ہے کہ سلام نہ کیا جائے اور

اسی کو اصح قرار دیا ہے (مرقاۃ ۴/۵۵۶)۔غرضیکہ اولی یہی ہے کہ "السلام علی من اتبع الھدی بھی نہ کہے لیکن اگر کوئی ان الفاظ سے سلام کر لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن بحر العلوم مفسر قرآن مفتی محمد صاحب تائب لکھنوی نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ مغلوبی اور فتنہ کے زمانہ میں کافروں کو خصوصاً صاحب اقتدار و با اثر افراد کو سلام کرنے میں پہل نہ کرنا موجب فتنہ ہے۔اس لئے مستحسن یہ ہے کہ ان کے سلام کے لئے انہیں کے الفاظ و آداب وغیرہ اختیار کرے، بقول سعدیؒ۔

گر آبِ چاہِ نصرانی نہ پاک است

جہود مردہ میشوی چہ باک است

(خلاصۃ التفاسیر ۱/۴۲۰)۔

(۳) اگر کوئی مسلمان کسی کافر حاکم کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر جائے تو اس وقت اس حاکم کافر کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے، "(لأن تبجيل الكافر كفر) قال في المنح قيد به لأنه لو لم يكن كذلك بل كان لغرض من الأغراض الصحيحة فلا بأس به ولا كفر اه" (ردالمحتار ۵/۲۶۵)، "قال في التاتارخانية لأن النهي عن السلام لتوقيره ولا توقير إذا كان السلام لحاجة" اھ (ردالمحتار ۵/۲۶۴)۔

یعنی سلام کرنے میں چونکہ اس کی تعظیم ہے اس لئے حضور ﷺ نے سلام کرنے سے منع فرمایا اور جب سلام کسی غرض و ضرورت کی وجہ سے ہو تو پھر اس کی تعظیم نہیں رہی بلکہ یہ خود غرضی کا سلام ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں اور ایسا بہت ہوتا ہے

اسی وجہ سے فارسی کا مقولہ ہے۔

سلام روستائی بے غرض نیست

اور اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی سائل آئے اور سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں اس لئے کہ یہ اپنے جس غرض کو لے کر آیا ہے اس کا سلام ہے، "ولا يجب رد سلام السائل لأنه ليس للتحية" (تنویر الابصار ۲۶۵/۵، ہکذا فی الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵، قاضیخان ۴۲۳/۳)۔

(۴) اور اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو سلام کرے تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، مسلمان کو چاہئے کہ اس کے سلام کا جواب دیدے جیسا کہ علامہ شامی نے تاتارخانیہ کے حوالہ سے اس کی تصریح کی ہے، "في التاتارخانية وإذا سلم أهل الذمة ينبغي أن يرد عليهم الجواب وبه نأخذ" (رد المحتار ۲۶۵/۵)، لیکن جواب میں صرف "وعلیک" کہے جیسا کہ قاضیخان نے اس کی تصریح کی ہے، "أما إذا ابتدأ الكافر فلا بأس بأن يرد عليه ولكن لا يزيد على قوله وعليك اه" (۴۲۳/۳)۔ اور بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وعلیک" کے بجائے اگر "ہداک اللہ" کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔

ضمنی مسائل:

(۱) کسی کافر سے بلا ضرورت مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ قاضیخان نے تصریح کی ہے، "ويكره للمسلم أن يصافح

الذمی" (۴۲۳/۳) "أی بلا حاجة لما فی القنیة الخ" (ردالمحتار ۲۶۴/۵)۔

(۲) لیکن اگر کوئی کافر کسی مسلمان کا پڑوسی ہو اور مسلمان کچھ دنوں کے لئے کہیں غائب ہو جائے مثلاً کہیں کا سفر ہو جائے تو واپسی پر کافر پڑوسی سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ مسلمان کو معلوم ہو کہ مصافحہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوگی اور اگر کوئی تکلیف نہ ہو تو پھر ترک مصافحہ ہی اولی ہے اس لئے کہ اصل یہی ہے کہ ان سے مصافحہ نہ کیا جائے لیکن پڑوسی ہونے کی وجہ سے مسلمان پر اتنا حق ہوتا ہے کہ اگر چہ کافر ہی صحیح لیکن اس کا دل نہ دکھائے (ردالمحتار ۲۶۴/۵)۔

(۳) کسی کافر کے ساتھ ایک آدھ مرتبہ کھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن دوام مکروہ ہے (کذا فی طحطاوی علی الدر ۲۰۶/۴)۔

طُرق سلام:

(۱) دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اشارہ کرنا، یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے ان کے یہاں اگر کسی کو سلام کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اشارہ کر دیجئے سلام کی ادائیگی ہو جائے گی، ان کا مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ مجھے سلام کر رہا ہے۔

(۲) انگلیوں کا اشارہ، یہ یہودیوں کے سلام کا طریقہ ہے ان کے یہاں اگر کسی کو سلام کرنا ہو تو شہادت کی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرنا کافی ہے سلام کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ یا انگلی کے اشارہ کے ذریعہ سلام کرنے سے منع فرمایا ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص ہمارے غیروں کی مشابہت اختیار کرے (یعنی دوسرے مذاہب کے لوگوں کے طریقہ پر عمل کرے) وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے) تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ نصاری (عیسائیوں) کے ساتھ اس لئے کہ انگلیوں سے اشارہ کرنا یہودیوں کے سلام کا طریقہ ہے اور ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا نصاری کے سلام کا طریقہ ہے (ترمذی ۲/۹۴ باب ما جاء فی کراھیۃ إشارۃ الید فی السلام)۔ ملا علی قاری شارح مشکوۃ لکھتے ہیں حضور ﷺ کو کشف کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ میری امت کے کچھ لوگ بے راہ روی کا شکار ہوکر وہ طریقہ اختیار کرلیں گے جو یہودیوں عیسائیوں اور دوسری غیر اقوام کا ہے، جیسے انگلیوں یا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھ جوڑ لینا، کمر یا سر کو جھکانا، صرف سلام پر اکتفاء کرنا وغیرہ، اس لئے آپ ﷺ نے پوری امت کو مخاطب کرتے ہوئے اس بارے میں تنبیہ فرمائی اور وعید بیان کی کہ جو ہماری سنت کے خلاف اوروں کے طریقوں کو اختیار کرے گا وہ ہماری امت سے خارج ہے (بتوضیح مرقاۃ ۴/۵۶۱)۔

صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا بدعت ضالہ ہے:

بحر العلوم حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

الف: صرف ہاتھ کے اشارہ پر اکتفاء کرنا یا اسے جزو سلام یا موجب ثواب

سمجھنا مشابہت کفار اور بدعت ضالہ ہے۔

ب: لفظ (یعنی السلام علیکم) اور اشارے کا جمع کر لینا جیسا کہ ہمارے بلاد میں معمول ہے (یعنی ہندوستان میں جیسا کہ عام طور پر رائج ہے) اگر چہ اولی نہ ہو مگر جائز ہے خصوصاً جبکہ یہ اشارہ عرفاً علامت تعظیم وتوقیر قرار پا چکا ہے۔

ج: دوری یا اور کسی وجہ سے آواز سلام نہ پہنچ سکے تو ہاتھ سے اعلام واعلان مباح ہے (بشرطیکہ زبان سے سلام بھی کیا ہو جیسا کہ ترمذی شریف میں بروایت اسماء بنت یزید حضور ﷺ سے منقول ہے (۲/۹۴)، خلاصۃ التفاسیر ۱/۴۱۹، ہکذا فی الاذکار للنووی/۲۱۰)۔

(۳) صرف جھک جانا، یہ مجوسی مشرکین کا سلام ہے ان کے عرف میں جھکنے سے سلام کی ادائیگی ہو جاتی ہے اور سلام کا طریقہ ان کے یہاں جھکنا ہی ہے۔

اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ نے سلام کرتے وقت جھکنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں بروایت انسؓ اس کی تصریح ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھک جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں، الحدیث (ترمذی ۲/۹۷ باب ما جاء فی المصافحۃ)۔

مفتی فتح محمد صاحبؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے ''مسئلہ'' اس قدر جھکنا کہ قریب برکوع ہو جائے جائز نہیں (خلاصۃ التفاسیر ۱/۴۱۹)۔

(۴) حیاک اللہ کہنا، یہ قبل از سلام عربوں کا سلام تھا، اگر کسی کو سلام کرنا ہوتا

تو حیاک اللہ یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے کہا کرتے تھے، اسی طرح "انعم اللہ بک عیناً""أنعم صباحاً" کہنے کا بھی دستور تھا، لیکن اسلام کے آنے کے بعد طرز تحیہ بدل گیا اور اس کو چھوڑ وا دیا گیا۔

چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں "انعم اللہ بک عیناً" اللہ تجھ سے آنکھ ٹھنڈی رکھے اور "انعم صباحاً" صبح بخیر کہا کرتے تھے (یعنی ان الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے) پھر جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے روک دیا گیا" (ابوداؤد شریف ۲/۵۲۳ باب فی الرجل یقول انعم اللہ بک عیناً)۔

معمر فرماتے ہیں کہ "انعم اللہ بک عیناً" کہنا مکروہ ہے کیونکہ کسی کی زندگی یا فراخی اللہ کی آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں بناتی البتہ انعم اللہ عینک کہنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا ترجمہ یہ ہے اللہ تجھے مسرور اور تیری آنکھوں کو ڈھنڈا رکھے۔

نوٹ: حیاک اللہ، اور انعم صباحاً کے مترادف اللہ، اللہ یا داللہ، خوش رہو، وغیرہ الفاظ میں جس کو بعض بوڑھے جہلاء استعمال کرتے ہیں ان الفاظ کے بارے میں حضرت مولانا مفتی فتح محمد صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ فی نفسہ یہ الفاظ اگرچہ محبوب ومحمود ہیں لیکن لفظ سلام کی جگہ ان الفاظ کو استعمال کرنے والا تارک سنت ہونے کی وجہ سے عاصی اور اختراع جدید کی وجہ سے بدعتی اور بے محل استعمال کرنے کی وجہ سے بے ادب ہوگا، کیونکہ محل السلام علیکم کا ہے، (بتوضیح خلاصۃ التفاسیر ۱/۴۱۹)۔

(۵) السلام علیکم، یہ مسلمانوں کا سلام ہے، ان کے نزدیک سلام کرنے کا طریقہ ہے کہ السلام علیکم کہے اور یہ پانچوں قسموں میں سب سے افضل واعلی ہے، اسی کو حضرات ملائکہ اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضور ﷺ تک تمام انبیاء کرام اور خود حضور ﷺ نے پسند کیا اور اختیار کیا اور امت محمدیہ کے لئے اسی جملہ کو منتخب کیا گیا جیسا کہ تفصیلی کلام اس پر یہ سیاہکار کر چکا ہے (درۃ الناصحین ۵۹)۔

مزاج پرسی:

سلام کے بعد نمبر متصلاً مزاج پرسی وخیریت معلوم کرنے کا ہے، حضور پاک ﷺ سے سلام کے بعد مزاج پرسی کا ثبوت ملتا ہے، لہذا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام کرنے کے بعد خیریت معلوم کرے۔

چنانچہ حضرت ابو اسید الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب حضرت عباسؓ کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا السلام علیکم تو گھر والوں نے جواباً عرض کیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ حضرات کے مزاج کیسے ہیں؟ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ، فرمایا میں بھی الحمد للہ بخیریت ہوں (جمع الفوائد ۱۳۲/۴)۔ (مرحباً کہنا) اسی طرح سلام کے بعد اگر کوئی شخص اہلاً وسہلاً مرحباً یا خوش آمدید کہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ ازدیاد انس کی غرض سے مستحسن ہے، اور مرحباً کہنے کا ثبوت حدیث پاک سے ہے، حضرت عکرمہ جس دن تشریف لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا "مرحباً بالراکب المھاجر"۔

جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اس کی تفصیل:

اب ان حضرات کی فہرست سپرد قرطاس کی جاتی ہے جن کو سلام کرنا مکروہ ہے ان حضرات کو حسب بیان علامہ شامی سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۱) نماز پڑھنے والا، یعنی اگر کوئی آدمی نماز پڑھنے میں مشغول ہو، خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، بہر صورت سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے شخص کو سلام کرنے والا گنہگار رہے۔

(۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا، یعنی اگر کوئی آدمی قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو خواہ زبانی تلاوت کر رہا ہو یا دیکھ کر، گھر میں ہو یا مسجد میں بہر صورت سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۳) ذاکر، یعنی کوئی آدمی ذکر اللہ میں مشغول ہو خواہ دوازدہ تسبیح کا ذکر ہو یا کوئی دوسری تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو یا وعظ کہہ رہا ہو غرض کہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو خواہ کسی طرح ہو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۴) حدیث کا درس دینے والا، اگر کوئی آدمی حدیث پاک کا درس دے رہا ہو تو دوران درس اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۵) خطیب، یعنی اگر کوئی آدمی خطبہ دے رہا ہو، خواہ خطبۂ جمعہ ہو یا خطبۂ نکاح ہو یا خطبۂ عیدین ہو بہر صورت خطبہ دینے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۶) اگر کوئی آدمی تلاوت، یا ذکر، یا وعظ، یا حدیث، یا خطبہ سن رہا ہو تو اس

سننے والے کوسلام کرنا مکروہ ہے۔

(۷) علم فقہ کا تکرار کرنے والا، اگر کوئی شخص علم فقہ کا تکرار کررہا ہو، دوسروں کو سمجھانے کے لئے یا خود یاد کرنے کے لئے جیسا کہ مدارس میں طلباء رات کو اپنے ساتھیوں کو سمجھانے کے لئے یا خود یاد کرنے کے لئے تکرار کیا کرتے ہیں تو ان کو سلام کرنا مکروہ ہے جس وقت تکرار میں مشغول ہوں۔

(۸) فیصلہ کے لئے بیٹھنے والا، اگر کوئی قاضی ہو اور اس کے پاس فریقین فیصلے کے لئے حاضر ہوں تو ایسے وقت میں جبکہ قاضی فیصلہ کے لئے بیٹھا ہے فریقین کے لئے قاضی کو سلام کرنا مکروہ ہے (ویسے جب چاہیں سلام کریں کوئی حرج نہیں یہ ممانعت خاص وقت میں ہے) اسی طرح اگر کسی مفتی کے پاس فریقین فیصلہ کے لئے حاضر ہوں تو فریقین کے لئے مفتی کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اس خاص وقت کے علاوہ اوقات میں یہ ممانعت نہیں ہے، اسی طرح اگر فریقین دار القضاء میں بیٹھے ہوں اور قاضی یا مفتی فیصلہ کرنے کے لئے جائیں تو اس خاص وقت میں فریقین کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کسی علم شرعی میں بحث کرنے والا، یعنی اگر چند آدمی ایک جگہ بیٹھ کر کسی پر بحث کررہے ہوں خواہ وہ مسئلہ فقہی ہو یا نحوی ہو یا صرفی ہو، تو ایسے لوگوں کو اس خاص وقت میں جبکہ ریسرچ کررہے ہوں سلام کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی شرعی مسئلہ کے بجائے غیر شرعی مسئلہ پر ریسرچ کررہے ہوں تو ان کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۱۰) مؤذن، اگر کوئی شخص اذان دے رہا ہو تو اذان دیتے وقت اس کو سلام

کرنا مکروہ ہے۔

(۱۱) مقیم، اگر کوئی اقامت کہہ رہا ہو تو اقامت کہنے کی حالت میں اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۱۲) مدرس، کوئی استاذ جس وقت کسی علم شرعی کے درس دینے میں مشغول ہو استاذ کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور اگر درس علم شرعی کا نہ ہو تو اس وقت سلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۱۳) جوان لڑکی، اگر کوئی عورت جوان ہو تو مرد کے لئے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح جوان لڑکی کے لئے مکروہ ہے کہ مرد کو سلام کرے، اور اگر عورت بوڑھی ہو سلام کرنے میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو سلام کرنا جائز ہے۔

(۱۴) شطرنج کھیلنے والا، اگر کچھ لوگ بیٹھے شطرنج کھیل رہے ہوں تو اس وقت ان کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح جوا کھیلنے والوں کو کھیلتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ شراب پینے والے کو شراب پیتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ کسی کی غیبت کرنے والے کو، غیبت سننے والے کو غیبت کرتے وقت اور سننے کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ کبوتر باز، مرغ باز کو کبوتر بازی مرغ بازی کرتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ گانا گانے والے کو گاتے وقت ناچنے والے کو ناچتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ گانا سننے والے کو اور ناچ دیکھنے والے کو سننے اور دیکھنے کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ کسی بھی خلاف شرع کام کرنے والے کو اس کام کے کرنے کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح فاسق کو جو علی الاعلان فسق کرتا ہو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور اس کے بعد جب تک ان کا

تائب ہونا معلوم نہ ہو جائے سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۱۵) اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے صحبت کررہا ہو یا مبادیات جماع میں مشغول ہو تو ایسے شخص کو اس خاص وقت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۱۶) کافر، اگر کسی کافر سے ملاقات ہو جائے تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت جانا ہو تو اس وقت سلام کرنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ماسبق میں گذر چکی ہے۔

(۱۷) کاشف ستر عورت، اگر کوئی آدمی ستر عورت (جو ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے) کھولے ہو اگرچہ ضرورۃً ہی کیوں نہ کھولا ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے، دیہاتوں میں عام طور پر گھٹنہ کھولے بیٹھے رہتے ہیں ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

(۱۸) پائخانہ کرنے والا، اگر کوئی آدمی بیٹھا ہوا قضاء حاجت کررہا ہو تو اس وقت اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح پیشاب کررہا ہو تو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۱۹) کھانا کھانے والا، اگر کوئی آدمی کھانا کھارہا ہو تو اس وقت اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۰) زندیق، زندیق کا اطلاق باعتبار لغت اس شخص پر ہوتا ہے جو باری تعالی کا منکر ہو، یا باری تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ثابت کرتا ہو، یا باری تعالی کی حکمت کا منکر ہو (لسان العرب)۔

اور اصطلاح شرع میں زندیق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت کے اعتراف کے ساتھ کفر مضمر رکھتا ہو (شرح المقاصد) یعنی عقیدہ کفریہ رکھتا ہو لیکن

اپنے اس عقیدہ کفریہ کو اسلامی شکل وصورت میں ڈھال کر اس طرح بتلاتا ہو کہ لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں۔ اسی وجہ سے علامہ شامی لکھتے ہیں: "زندیق اپنے کفر پر ملمع سازی کرتا ہے اور اپنے فاسد عقیدہ کو رائج کرنا چاہتا ہے اور اس کو عمدہ صورت میں ظاہر کرتا ہے (ردالمحتار ۳/۲۹۶ مطلب فی الفرق بین الزندیق والمنافق والدہری والملحد)۔

حاصل کلام یہ کہ جو شخص صفات بالا کے ساتھ متصف ہو وہ زندیق ہے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۱) (مسخرہ) فحش ودل آزار مذاق کرنے والا، اگر کسی شخص کی فطرت ثانیہ بن چکی ہو، فحش مذاق کرنے کی تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۲) لغو کلام کرنے والا، اگر کوئی آدمی لایعنی ولغو باتیں کرتا ہے تو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۳) جھوٹ بولنے والا، اگر کوئی شخص بلاضرورت جھوٹ بولتا ہو تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۴) اگر کوئی آدمی بازار میں اس وجہ سے جاتا ہو اور وہاں نشست کرتا ہو تاکہ عورتوں کا نظارہ کرے اور ان کے حسن سے اپنی آنکھوں کو سیکے تو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۵) اگر کوئی شخص لوگوں کو گالی دیتا ہو تو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ (یہ عام لوگوں کو گالی دینے کا حکم ہے اس سے ان لوگوں کی قباحت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جو علماء اور مشائخ کو گالی دیتے ہیں ان کو سلام کرنا بدرجہ اولی مکروہ ہے)۔

(۲۶) اگر کچھ لوگ مسجد میں بیٹھے ذکر یا تلاوت یا تسبیح میں مشغول ہوں یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں ان کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲۷) اگر کوئی حاجی تلبیہ پڑھ رہا ہو تو اس کو بھی اس حالت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔

کن لوگوں کے سلام کا جواب ضروری نہیں؟

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون کون سی جگہیں ایسی ہیں جہاں سلام کا جواب دینا ضروری نہیں؟ اس سوال کے دو جواب ہیں: (۱) اجمالی، (۲) تفصیلی۔

اجمالی جواب جس کی حیثیت ضابطہ کی ہے اس کے بعد پھر تفصیلی جواب کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی وہ یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں پر سلام مشروع نہیں وہاں اگر کوئی سلام کردے تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے جیسا کہ کہ علامہ ابن نجیم مصری صاحب بحر الرائق نے زیلعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کما فی رد المحتار (۱/۴۱۵)۔ "ومفاده أن كل محل لا يشرع فيه السلام لا يجب رده" اور تفصیل کے ساتھ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان ساری جگہوں کو جہاں سلام کا جواب دینا واجب نہیں نظم میں جمع کردیا ہے جس کو علامہ ابن عابدین شامی نے بھی اپنی کتاب ردالمحتار میں لیا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، یا کھانے میں مشغول ہو، یا کوئی چیز پی رہا ہو، یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو، یا دعاء تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو، یا ذکر کررہا ہو، یا خطبہ دے رہا ہو، یا سن رہا ہو، یا تلبیہ پڑھ رہا ہو، یا پائخانہ پیشاب

کررہا ہو، یا تکبیر کہہ رہا ہو، یا اذان دے رہا ہو، ان حالات میں سے کسی بھی ایک حالت میں اگر کوئی ہو تو اس وقت اس کے لئے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اسی طرح جس کو سلام کیا ہے وہ بچہ ہو، یا بیہوش ہو، یا ایسی جوان عورت ہو جس کے جواب میں فتنہ کا اندیشہ ہو، یا فاسق ہو، یا اونگھ رہا ہو، یا سو رہا ہو، یا جماع کر رہا ہو، یا فیصلہ کر رہا ہو، یا غسل خانہ میں ہو، یا مجنون ہو، تو ان لوگوں پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔

سلام کا جواب فوراً ضروری ہے:

اگر کوئی سلام کرے تو اس کے سلام کا فوراً جواب دینا ضروری ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے فوراً جواب نہیں دے سکا تو کوئی حرج نہیں عذر ختم ہونے پر جواب دیدے اور اگر بغیر کسی عذر کے جواب میں تاخیر کی تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ بلا عذر جواب میں تاخیر مکروہ تحریمی ہے اور گناہ سلام کے جواب سے معاف نہیں ہوگا بلکہ توبہ کے ذریعہ معاف ہوگا، لہٰذا اگر کوئی شخص بلا عذر سلام کا جواب تاخیر سے دے تو اس کو چاہئے کہ توبہ کرے ورنہ گنہگار رہے گا (کذا فی رد المحتار ۵/۲۶۶)۔ **"قوله رد السلام وتشميت العاطس على الفور، ظاهره أنه إذا أخر بغير عذر كره تحريماً ولا يرتفع الإثم إلا بالتوبة"** (طحطاوی ۴/۲۰۷)۔

جواب کا سنانا واجب ہے:

حضرات فقہاء لکھتے ہیں سلام کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور سلام کا سنانا مستحب ہے (یعنی اتنی زور سے سلام کرنا جس کو سلام کیا ہے وہ سن لے) اور سلام کا

جواب دینا فرض کفایہ ہے، اور جواب کا سنانا (یعنی اتنی زور سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا جواب سن لے) واجب ہے۔ لہذا اگر سلام کرنے والے نے جواب نہیں سنا تو وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ دوبارہ جواب دینا لازم ہوگا، "**وشرط فی الرد وجواب العطاس إسماعه**" (درمختار ۲۶۵/۵)۔ اسی وجہ سے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر سلام کرنے والا بہرا ہو تو جواب دینے والے پر واجب ہے کہ اپنے ہونٹوں کو جواب کے ساتھ ہلا کر اس کو دکھلائے تاکہ اس کو یقین ہو جائے کہ اس نے میرے سلام کا جواب دیا ہے (ردالمحتار ۲۶۵/۵)۔

باوضو جواب دینا مستحب ہے:

فتاوی غیاثیہ کے حوالہ سے عالمگیری میں یہ جزئیہ ہے کہ جواب دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ طہارت کے ساتھ جواب دے اگر باوضو نہ ہو تیمّم کرلے تیمّم بھی جواب کے لئے وضو کے قائم مقام ہے فوراً تیمّم کرے اور پھر جواب دے (۳۲۵/۵)، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور پاک ﷺ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو ایک صاحب نے سلام کیا آپ ﷺ خاموش رہے وضو کیا اس کے بعد جواب دیا اور پھر فرمایا کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام بغیر طہارت کے لوں اور اپنی زبان پر لاؤں اس وجہ سے اس وقت جواب نہیں دیا، اب جواب دے رہا ہوں۔

متعین سلام کا حکم:

اگر کوئی آدمی کسی کو مشخص و متعین کر کے سلام کرے مثلاً یہ کہے السلام علیکم یا زید، اے زید تم پر سلام ہو تو زید ہی کو جواب دینا ضروری ہے، اگر عمر نے جواب دیدیا تو زید سے سلام کا جواب ساقط نہیں ہوگا بلکہ زید کو جواب دینا ہوگا۔

اور اگر نام نہیں لیا بلکہ اشارہ کیا یعنی السلام علیکم کہا اور کسی کی طرف اشارہ کیا اور جواب مشار الیہ کے علاوہ کسی شخص نے دیدیا تو اس صورت میں مشار الیہ سے جواب ساقط ہو جائے گا اب مشار الیہ پر جواب لازم نہیں (ردالمحتار ۲۶۵/۵)۔

اور اگر کسی جگہ مخصوص مجلس ہو اور کوئی شخص ان مجلس والوں کو سلام کرے اور جواب کوئی ایسا شخص دیدے جو مجلس سے خارج ہو تو یہ غیر کا جواب مجلس والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوگا بلکہ مجلس والوں کو جواب دینا ضروری ہے اگر مجلس والوں میں سے کسی ایک نے بھی جواب دیدیا تو پوری مجلس والوں کی طرف سے وہ جواب کافی ہے، ورنہ سب ترک واجب کے گنہگار رہوں گے (طحطاوی علی الدر ۲۰۷/۴)۔

مجلس واحد میں تکرار سلام کا حکم:

اگر کسی مجلس میں کوئی شخص آئے اور سلام کرے تو مجلس والوں پر اس سلام کا جواب ضروری ہے، اور اگر وہی شخص اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے چند منٹ کے بعد پھر مجلس والوں کو سلام کرے تو مجلس والوں پر اس سلام ثانی کا جواب ضروری نہیں، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے فتاوی تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے (فرع) "إن سلم

ثانياً في مجلس واحد لا يجب رد الثاني" (تاتارخانیہ۴/۲۰۷، ہکذا فی الفتاوی الہندیہ۵/۳۲۵، ردالمحتار۵/۲۶۷)(تتمہ)۔

سائل کے سلام کا جواب واجب نہیں:

اگر کوئی سائل آئے اور سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، اور اگر سائل سوال کی نیت سے نہ آیا ہو بلکہ ویسے ہی ملنے آیا ہو تو پھر سلام کا جواب دینا واجب ہے(کذافی الفتاوی الہندیہ۵/۳۲۵)۔

نوٹ: مدارس کے سفراء مذکورہ بالا حکم کے تحت داخل نہیں اس لئے کہ یہ اپنے لئے نہیں مانگتے بلکہ یہ وکیل وسفیر ہوتے ہیں مدارس کے اس لئے ان کے سلام کا جواب واجب ہے۔

دخول مسجد کے وقت سلام کا حکم:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا آداب مسجد میں سے ہے، کذافی القرطبی، اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو **السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین** کہے، اور اگر کچھ لوگ ہوں لیکن نماز، یا تلاوت، یا ذکر وغیرہ میں مشغول ہوں یا انتظار صلوۃ میں بیٹھے ہوں تو ایسی صورت میں داخل ہونے والا سلام نہ کرے، اور اگر سلام کیا تو جواب دینا واجب نہیں جی چاہے جواب دے یا نہ دے اختیار ہے۔ان صورتوں کے علاوہ سلام کرنا جائز ہے(کذافی الفتاوی الہندیہ۵/۳۲۵)۔

پان کے بعد سلام:

بعض جگہوں پر یہ دستور ہے کہ اگر کوئی پان پیش کرے تو پان لینے والا پان پیش کرنے والے کو سلام کرتا ہے، اس کا ثبوت کہیں سے نہیں یہ محدثات (بدعات) کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے قابل ترک ہے محض ایک رسم ہے جہاں پر سلام کرنا چاہیئے اور مسنون ہے وہاں کے بجائے اپنی طرف سے نئی تہذیب کے تحت ایک رسم نکالی گئی ہے حالانکہ عالمگیری میں ہے: ''السلام تحیۃ الزائرین'' سلام زائرین کا تحیہ ہے یعنی اگر کوئی زیارت کرنے آئے ملاقات کرنے آئے ذرا فصل کے بعد ملاقات ہو تو وہاں سلام کرنا چاہیئے اور فاصلہ اگر چہ ایک دیوار اور درخت کا کیوں نہ ہو۔

لیکن ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے پان دیا، اس پر سلام یہ بالکل بدعت ہے۔

کون کس کو سلام کرے؟

حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے:

(۱) ''الراکب یسلم علی الماشی'' سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اگر کوئی سواری پر جارہا ہو اور دوسرا مسلمان ادھر سے پیدل آرہا ہو اور دونوں کی ملاقات ہو جائے تو سوار کو چاہیئے کہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے، سلام میں پہل کرنے کا حق سوار کا ہے (الفتاوی الہندیہ ۵/۳۲۵)۔

اور علامہ سید احمد طحطاوی نے اس کی وجہ بھی بیان کردی ہے، لإزالۃ الخوف خوف کو زائل کرنے کے لئے اس لئے کہ سوار کی ایک حیثیت ہے پیدل چلنے والا اس کو

دیکھ کر ہوسکتا ہے کہ خوفزدہ ہوجائے، اور اس کا احتمال ہے کہ پیدل چلنے والا یہ سوچنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ سوار مجھ پر حملہ کر بیٹھے اس خوف وہراس کو ختم کرنے کے لئے شریعت نے سوار کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ جب قریب آئے تو پیدل چلنے والے کو اس کی طرف سے اطمینان ہوجائے اور دل سے خوف نکل جائے (طحطاوی علی الدر ۴/۲۰۷)۔

(۲) چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے یعنی اگر کوئی شخص جارہا ہو اور دوسرا شخص بیٹھا ہو تو گذرنے والے پر یہ حق ہے کہ بیٹھنے والے کو سلام کرے گذرنے والا خواہ پیدل جارہا ہو یا سواری پر ہو پھر پیدل تنہا ہو یا اور بھی دوسرے حضرات اس کے ساتھ ہوں اسی طرح سواری خواہ سائیکل ہو یا موٹر سائیکل، رکشہ ہو یا آٹو رکشہ، جیپ ہو یا کار بس ہو یا ٹرک بہر صورت سلام میں پہل کرنے کا حق گذرنے والے کا ہے۔

اسی طرح بیٹھنے والا تنہا ہو یا اور کوئی اس کے ساتھ ہو نیز زمین پر بیٹھا ہو یا فرش پر بیٹھا ہو تخت پر بیٹھا ہو یا کرسی پر بیٹھا ہو غرضیکہ کسی چیز پر بیٹھا ہو، "**ویسلم الماشي علی القاعد**" (ردالمختار ۵/۲۶۷) (تتمہ)۔

اور اس کی بھی علت علامہ طحطاوی نے ازالۂ خوف ہی تحریر فرمائی ہے جس کی تفصیل ابھی ابھی گذر چکی ہے، فلیطالع ثانیاً۔

(۳) چھوٹا بڑے کو سلام کرے، اگر کوئی چھوٹا جارہا ہو اور ادھر سے کوئی بڑا آرہا ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ بڑے کو سلام کرے، "**والصغیر علی الکبیر**" (خلاصۃ الفتاوی ۴/۳۳۴)۔

علامہ طحطاوی نے اس کی وجہ توقیر قرار دی ہے کہ اس میں بڑے کی توقیر و تعظیم

ہے۔

(۴) قلیل کثیر کو سلام کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ادھر سے چار آدمی جارہے ہوں اور ادھر سے چار کے بجائے آٹھ آرہے ہوں تو چار کو چاہئے کہ آٹھ کو سلام کرے۔ علامہ طحطاوی نے اس کی علت تواضع قرار دی ہے (طحطاوی علی الدر۴/۲۰۷)۔

(۵) اگر کوئی شخص کھڑا ہو اور اس کے پیچھے سے کوئی دوسرا شخص آئے تو پیچھے سے آنے والے کو چاہئے کہ سلام کرے، "**كذا في المحيط ويسلم الذي يأتيك من خلفك**" (الفتاوی الہندیہ۵/۳۲۵)۔

(۶) شہر سے آنے والا دیہات سے آنے والے کو سلام کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ دیہات سے آنے والا شہر سے آنے والے کو سلام کرے، (کذا فی خلاصۃ الفتاوی۴/۳۳۲)۔

(۷) اور اگر دونوں راکب (سوار) ہوں یا دونوں پیدل ہوں۔ دونوں چھوٹے ہوں یا دونوں بڑے ہوں۔ دونوں قلیل ہوں یا دونوں کثیر ہوں دونوں شہری ہوں یا دونوں دیہاتی ہوں، اور دونوں جارہے ہوں راستہ میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوجائے تو ان میں ہر ایک سلام میں پہل کرنے کا مستحق ہے اور ان میں سے جو بھی سلام کرنے میں سبقت لے جائے وہ افضل ہے اور اگر ایک ہی ساتھ دونوں نے سلام کیا تو ہر ایک پر دوسرے کے سلام کا جواب واجب ہے (کذا فی رد المحتار۵/۲۶۷) (تتمہ)۔

(۸) اور جو کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے اور احق بالسلام کون ہے اس کو واضح کیا گیا یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہر ایک کی دوسرے سے راستہ میں ملاقات ہو اور اگر راستہ میں ملاقات نہ ہو بلکہ اتر کر بیٹھنے والوں کے پاس آئیں تو بہر صورت آنے والے پر یہ حق ہے کہ بیٹھنے والوں کو سلام کرے آنے والا خواہ شہری ہو یا دیہاتی۔ قلیل ہوں یا کثیر، صغیر ہو یا کبیر۔ اس صورت میں وہ حکم نہیں جو ماقبل میں بیان کیا گیا ہے، (کذا فی الطحطاوی علی الدر ۴؍۲۰۷)۔

کب تک سلام بند کیا جا سکتا ہے؟

اصل تو یہ ہے کہ ایک انسان کی ہمدردی دوسرے انسان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو اس میں تقاطع نہیں لیکن حب فی اللہ کے ساتھ بغض فی اللہ کی بھی اجازت ہے یعنی وجوہات شرعیہ میں سے کسی وجہ کے تحت اگر کسی بھائی سے مقاطعہ ہو سلام کلام بند کر دیا جائے تو اس کی بھی اجازت ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی قید ہے کہ ۳ دن سے زائد نہ ہو۔ ۳ دن تک گنجائش ہے اس کے بعد اس مقاطعہ کو جاری رکھنا شرعاً جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے جس کے راوی حضرت ابوایوب الانصاریؓ ہیں فرماتے ہیں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زائد چھوڑے رکھے (اور اگر کہیں اچانک آمنا سامنا ہو جائے) تو یہ اپنا چہرہ (اس سے پھیر لے اور وہ اپنا چہرہ (اس سے) پھیر لے۔

لیکن ۳ دن سے زائد ہجران ترک تعلق کی ممانعت اس تقدیر پر ہے کہ باعث ہجران کوئی ایسی بات ہو جو آداب معاشرت یا حقوق صحبت سے متعلق ہو اور اگر باعث ترک تعلق کوئی امر دینی ہوتو اس صورت میں تین دن سے زائد بلکہ اس وقت تک ترک تعلق کی اجازت ہے جب تک توبہ نہ کرلے،توبہ کے بعد ہی تعلق میں استوارگی پیدا کرے (لمعات)۔

مصافحہ:

اب تک تو سلام کے متعلق اس کے تمام اجزاء پر روشنی ڈالی گئی اب مصافحہ سے متعلق کچھ باتیں سپرد قرطاس کی جارہی ہیں اس لئے کہ مصافحہ کا بھی سلام سے ایک خاص جوڑ ہے اسی وجہ سے مصافحہ کوتتمہ سلام کہا گیا ہے (چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، "قال من تمام التحیة الأخذ بالید"، حضور پاک ﷺ نے ارشادفرمایا سلام کی تکمیل ہاتھ پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا ہے (ترمذی ۹۷/۲ باب ما جاء فی المصافحۃ)) حدیث پاک میں مصافحہ کے بھی بے شمار فضائل موجود ہیں،ان میں سے چند حدیثوں کو یہاں نقل کرتا ہوں:

(۱) "عن البراء قال قال رسول اللهﷺ ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان إلا غفر لهما قبل أن یفترقا" (ابوداؤد ۳۵۲/۳ باب فی المصافحہ،ترمذی ۹۷/۳،واللفظ لابی داؤد)۔

(جو بھی دو مسلمان ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے قبل

دونوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں)۔

(۲) "تصافحوا يذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء" (مؤطا امام مالک)۔

(باہم مصافحہ کیا کرو اس سے دلوں کی رنجش دور ہوجائے گی، اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو باہم محبت پیدا ہوگی اور کینہ جاتا رہے گا)۔

(۳) "عن البراء بن عازب قال قال رسول الله ﷺ إذا التقى المسلمان فتصافحا وحمد الله واستغفراه غفر لهما" (ابوداؤد شریف ۴/۳۵۲)۔

(جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور اللہ کی تعریف کرتے ہیں، اور استغفار کرتے ہیں تو دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے)۔

(۴) "عن حذيفة رضی اللہ عنہ مرفوعاً إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيده فصافحه تناثرت خطاياهما كما يتناثرون الشجر" (اوسط للطبرانی)۔

((ایک) مؤمن جب (دوسرے) مؤمن سے ملتا اور اس کو سلام کرتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درخت کے (سوکھے) پتے جھڑتے ہیں)۔

فائدہ: شاید بعض جاہلوں نے اسی سے استنباط کیا کہ ہاتھوں کو جھٹکا دیا جائے جیسے درخت کو جھڑ جھڑایا جاتا ہے حالانکہ مقصود مصافحہ سے گناہ کے جھڑنے کو ایک مثال

سے واضح کرنا ہے۔

(۵)"عن أبی هریرةؓ مرفوعاً إن المسلمین إذا التقیا فتصافحا وتسائلا أنزل الله بینهما مائة رحمة تسعة وتسعین لأنهماوأطلقهما وأبرهما وأحسنهما مسألة لأخیه" (الاوسط للطبرانی)۔

(بے شک دو مسلمان جب ملتے اور مصافحہ کرتے اور ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالی سو رحمتیں نازل فرماتے ہیں جن میں ننانوے اس کے لئے ہیں جو بھائی کی مزاج پرسی میں دلبستگی و بشاشت وخوبی زیادہ رکھتا ہے)۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام ومصافحہ کے ساتھ مزاج پرسی کرنی چاہئے اور انتہائی بشاشت اور فراخ دلی کا ثبوت پیش کرنا چاہئے کہ یہ بھی اجر سے خالی نہیں۔

کثرت مصافحہ کی ابتداء کہاں سے:

احادیث کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصافحہ میں کوئی تحدید وتوقیت نہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مصافحہ اس وقت کرنا چاہئے جب کہیں دور سے آئے حالانکہ ایسی بات نہیں جب جب سلام کی توفیق ہو مصافحہ بھی کرنا چاہئے اور ان فضائل کا جن کا تذکرہ ابھی آیا ہے تقاضا بھی یہی ہے کہ بار بار کثرت سے مصافحہ کیا جائے چنانچہ حدیث پاک سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یمنی حضرات کثرت سے مصافحہ کرتے تھے۔ ابوداؤد کی روایت ہے:

”عن أنس بن مالک قال لما جاء أهل اليمن قال رسول الله ﷺ قد جاءكم أهل اليمن وهم أول من جاء بالمصافحة“ (ابوداؤد ۳۵۲/۳)۔

(حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب اہل یمن آئے تو حضورﷺ نے فرمایا یمن والے آگئے اور یہی لوگ سب سے پہلے مصافحہ لے کر آئے)۔

حضرت سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں یعنی کثرت وشیوع میں سب سے پہلا ہاتھ انہیں حضرات کا ہے باقی نفس مصافحہ تو ان میں پہلے ہی سے تھا (بذل ۵۳۳/۵)۔

کفار سے مصافحہ کا حکم:

اس موقع پر اس کا بھی تذکرہ ضروری ہے کفار سے مصافحہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت میں ہے: ”لا تصافحوا اليهود والنصارى“ (اوسط) یہودیوں اور عیسائیوں سے مصافحہ نہ کیا کرو)۔ اس لئے کہ اس میں اعداء اللہ کا احترام ہے اور اس سے محبت کا برتاؤ ہے اس لئے خیال رکھنا چاہئے بلاضرورت ان سے مصافحہ نہ کیا جائے البتہ ضرورت کے موقع پر دفع ضرر کے لئے مصافحہ میں کوئی حرج نہیں، ویسے عمومی حالات میں بلاضرورت احتیاط رکھنا چاہئے۔ ”وفقنا الله وإياكم لما يحب ويرضى“۔

مصافحہ کا مسنون طریقہ:

جب مصافحہ بھی آقا مدنی تاجدار مدینہ ﷺ کا عمل ہے اور کثیر ثواب کو متضمن ہے تو ہمارے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کو طریقۂ رسول ﷺ کے خلاف کریں لہذا آیئے مصافحہ کا مسنون طریقہ معلوم کیا جائے۔

علامہ علاء الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں: ''**السنة فی المصافحة بکلتا یدیه**'' (۲۴۴/۵)۔ یعنی دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے، عام طور پر لوگ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے، نیز صرف انگلی کا پکڑنا بھی مصافحہ میں داخل نہیں، اس لئے کہ مصافحہ ''**الصاق صفحة الکف بالکف وإقبال الوجه بالوجه**'' کو کہتے ہیں یعنی ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانا اس طور پر کہ دونوں آمنے سامنے ہوں، نیز مصافحہ کرتے ہوئے انگوٹھے کو پکڑ کر ہلکا سا دبائے اور ہاتھ کو حرکت دے، اس میں ایک رگ ہوتی ہے جو محبت پیدا کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے، ''**کما صرح به العلامة الشامی وأن یأخذ الإبهام فإن فیه عرقاً ینبت المحبة کذا جاء فی الحدیث**'' (۲۴۴/۵)۔

مصافحہ کے بعد اپنا ہاتھ چومنا:

مصافحہ کرنے کے بعد یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنا ہاتھ چومتے ہیں اور سینہ پر پھیرتے ہیں، علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اس کی تصریح کی ہے کہ ملاقات کے بعد خود اپنا ہاتھ چومنا مکروہ ہے ''**تقبیل ید نفسه إذا لقی غیره فهو**

مکروہ فلا رخصة فیه"(۲۴۵/۵)۔

کسی عالم کاہاتھ چومنا:

البتہ جس سے مصافحہ کیا ہے اس کا ہاتھ چوم سکتے ہیں بشرطیکہ وہ عالم یا پرہیزگار متقی ہو یا عادل بادشاہ ہو یا استاذ و پیر ہو، بعض فقہاء نے اس کو سنت قرار دیا ہے، اسی طرح عالم کا سر چومنا بھی موجب ثواب ہے، البتہ کسی غیر عالم و متقی کا دنیاوی غرض کے حاصل کرنے کے لئے ہاتھ چومنا مکروہ ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے تصریح کی ہے، "**ولا رخصة فیه أی فی تقبیل الید لغیرهما أی لغیر عالم وعادل هو المختار، وإن لنیل الدنیا کره**"(۲۴۵/۵)۔

بوسہ کی پانچ قسمیں:

بوسہ (چومنے) کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) قبلة المودة محبت کی وجہ سے چومنا، جیسے والدین کا اپنے بچوں کو چومنا۔

(۲) قبلة الرحمة، رحمت کی وجہ سے بوسہ دینا جیسے بچوں کا اپنے والدین کے سر کو بوسہ دینا۔

(۳) قبلة الشفقة، شفقت پیار کی وجہ سے بوسہ دینا جیسے بھائی کا اپنے بھائی کی پیشانی کو بوسہ دینا۔

(۴) قبلة الشهوة، شہوت کی وجہ سے چومنا جیسے شوہر کا اپنی بیوی اور آقا کا اپنی باندی کے منھ کو بوسہ دینا۔

(۵) قبلۃ التحیۃ، جیسے کسی صالح متقی یا عالم کے ہاتھ کو اکراماً واحتراماً بوسہ دینا۔

اور بعض نے ایک قسم کا اور اضافہ کیا ہے۔

(٦) قبلۃ الدیانۃ، جیسے حاجیوں کا حجر اسود کو بوسہ دینا۔

قُبلہ کی مذکورہ بالا ساری قسمیں جائز ہیں (درمختار ۵/۲۴٦)۔

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے:

اسی کے ضمن یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد جو عام طور پر مصافحہ کا رواج ہے یہ غلط ہے، یہ نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین وائمہ متبوعین سے اس لئے اس کو لازم وضروری وسنت سمجھنا صحیح نہیں، حضرات فقہا نے اسی وجہ سے اس کو بدعت ومکروہ قرار دیا ہے، ائمہ عیدین کو چاہئے کہ نماز سے پہلے لوگوں کو یہ مسئلہ بتلادیں۔

نماز عصر وفجر کے بعد مصافحہ بدعت ہے:

بعض جگہوں پر بعض مساجد میں اس کا بھی التزام دیکھا گیا ہے کہ عصر وفجر کی نماز کے بعد سارے مقتدی امام سے مصافحہ کرتے ہیں یہ بھی بدعت ہے اس میں شک نہیں کہ مصافحہ فی نفسہ سنت ہے لیکن اس طور پر التزام نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وائمہ متبوعین سے، اسی وجہ سے امام نوویؒ فرماتے ہیں: ”**وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا أصل له في**

الشرع على هذا الوجه" یعنی فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ جس کے لوگ عادی ہیں اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ تبیین المحارم کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"**إنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال لأن الصحابة رضى الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة ولأنها من سنن الروافض**"(۲۴۴/۵)۔

(یعنی نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ مکروہ ہے اس لئے کہ حضرات صحابہ نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور یہ روافض کا طریقہ ہے)۔

قارئین کرام ذرا غور کریں کہ ایک طرف حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کا دعوی اور دوسری طرف ہمارا عمل روافض کے طریقہ کے مطابق، کیا یہ مناسب ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی جلیل القدر محدث سے بھی اس کا بدعت ومکروہ ہونا منقول ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"**إنها بدعة مكروهة لا أصل لها فى الشرع وأنه ينبه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً**"۔

(یعنی عصر وفجر کے بعد مصافحہ بدعت مکروہ ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اگر کوئی پہلی مرتبہ ایسا کرے تو اس کو تنبیہ کی جائے (اگر مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ) دوبارہ کرنے پر اس کو تعزیر کی جائے)۔

اسی انداز کی بات ابن الحاج مالکی بھی تحریر فرماتے ہیں کہ مصافحہ کی جگہ شرعاً

ملاقات ہے نہ کہ نماز کے بعد، لہذا ایسا کرنے والوں کو اس سے روکا جائے اور چونکہ خلاف سنت ایک کام کرنے والا ہے اس لئے اس کو ڈانٹا جائے۔

"قال ابن الحاج من المالكية في المدخل إنها من البدع وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في إدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة" (شامی ۲۴۴/۵)۔

معانقہ:

آداب ملاقات میں سے معانقہ بھی ہے اس لئے مصافحہ کے بعد یہاں پر اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ روایات سے حضور پاک ﷺ کا معانقہ کرنا ثابت ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ ایک صاحب نے حضرت ابوذرؓ سے معلوم کیا کہ جب آپ حضرات حضور ﷺ سے ملاقات کرتے تو کیا حضور ﷺ آپ حضرات سے مصافحہ کرتے تھے تو حضرت ابوذر نے فرمایا کہ ہاں جب بھی ملاقات ہوئی تو آپ نے مصافحہ کیا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو مجھے بلانے کے لئے بھیجا اتفاق سے میں گھر نہیں تھا جب گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے میرے یہاں کسی کو بھیجا تھا، چنانچہ میں خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ تخت پر تشریف فرما تھے اسی حال میں آپ نے مجھ سے معانقہ کیا اور وہ معانقہ بہت اچھا تھا (ابوداؤد ۳۵۲/۲، بذل ۳۲۵/۵)۔

لیکن اگر کوئی شخص معانقہ تکمیل شہوت کے لئے کرے تو جائز نہیں، اسی طرح اگر معانقہ میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو بھی صحیح نہیں، اسی وجہ سے امرد سے معانقہ میں احتیاط کرنا چاہئے۔

کسی آنے والے کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہونا:

کسی آنے والے کو دیکھ کر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا فی نفسہ مکروہ نہیں بلکہ یہ مکروہ لغیرہ ہے، وہ شخص جس کی وجہ سے قیام کیا ہے اگر اس کو یہ پسند ہو اور اس کا خواہشمند رہتا ہو کہ لوگ مجھ کو دیکھ کر میری تعظیم میں کھڑے ہو جائیں اس وقت قیام مکروہ ہے، جیسا کہ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے بذل المجہود میں اور علامہ شامی نے رد المحتار میں اس کی تصریح کی ہے، "والقیام لغیرہ لیس بمکروہ لعینہ وإنما المکروہ محبة القیام لمن یقام لہ" (بذل ۵/۳۲۶، رد المحتار ۵/۲۴۶)۔

اور اگر قیام ایسے شخص کے آنے کی وجہ سے کیا جو اپنی تعظیم میں قیام کا خواہشمند نہیں تو یہ مکروہ نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے، "فإن قام لمن لا یقام لہ لا یکرہ" (۵/۲۴۶)۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اہل فضل، عالم، صلحاء شرفاء کے لئے قیام جائز ہے جیسا کہ بذل میں ہے: "والصحیح أن احترام أھل الفضل والعلم والصلاح والشرف بالقیام جائز" (۵/۳۲۶)، اس لئے عامۃً ان لوگوں میں یہ بات پائی نہیں جاتی کہ لوگ میری تعظیم میں کھڑے ہو جائیں۔

امام نوویؒ تو ایسے حضرات کے لئے احتراماً کھڑے ہونے کو مستحب فرماتے ہیں، کمافی البذل (۳۲۶/۵): "وقال النووی القیام للقادم من أهل الفضل مستحب وقد جاءت فیه أحادیث ولم یصح فی النهی عنه شئی تصریحاً"، اسی انداز کی بات علامہ شامیؒ نے بھی نقل کی ہے: "قال ابن وهبان أقول وفی عصرنا ینبغی أن یستحب ذلک أی القیام لما یورث ترکه من الحقد والبغضاء والعداوة لا سیما إذا کان فی مکان اعتید فیه القیام" یعنی ابن وہبان فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں استحباب قیام ہی مناسب ہے خاص طور پر ان جگہوں میں جہاں لوگ قیام کے عادی ہیں، چونکہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے کینہ، حسد، بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے (دل میں ٹھان لیتا ہے کہ اچھا دوست ہماری تمہارے نزدیک کوئی ویلو نہیں بتائیں گے تم کو)۔

اسی وجہ سے شیخ ابو القاسم کے پاس جب کوئی مالدار جاتا تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اگر کوئی فقیر یا طالب علم جاتا تو کھڑے نہ ہوتے، اس تفریق کی وجہ ان سے کسی نے دریافت کی تو فرمایا کہ غنی مجھ سے تعظیم کی امید رکھتا ہے پس اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو وہ ضرر میں مبتلا ہو جائے گا اور خلاف توقع امر کے پیش آنے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوگی بخلاف فقراء وطلباء کے کہ وہ صرف یہ امید لے کر آتے ہیں کہ میں ان کے سلام کا جواب دیدوں اور ان سے کچھ علمی بات کروں اس لئے یہاں کھڑا نہ ہونے میں کوئی ضرر نہیں (کمافی الشامی ۲۴۶/۵)۔

بایں وجہ صاحب بذل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے تصریح

کی ہے کہ جہاں کھڑا ہونا مکروہ ہے (جس کی تفصیل ابھی گذری ہے) اگر قیام نہ کرنے کی وجہ سے جان ومال عزت وآبرو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی حاکم ہے اس کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ بےعزت کرے گا یا کسی جعلی مقدمہ میں پھانس دے گا تو اس کی وجہ سے اس مکروہ کا ارتکاب جائز ہے (بذل ۳۲۶/۵)۔

مروجہ قیام کا حکم:

اسی ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ محبین حضرات صلوۃ وسلام پڑھتے ہوئے جو قیام کرتے ہیں یہ بدعت ہے اس لئے کہ یہ بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے یعنی ان کا قیام حضور ﷺ کو حاضر وناظر سمجھنے کی وجہ سے ہے اور یہ عقیدہ خود غلط ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ویسے بہت سے علماء کرام اس موضوع پر کام کر چکے ہیں ان میں تفصیل دیکھ سکتے ہیں فقط۔ العبد حبیب اللہ قاسمی

۱۱/ذی قعدہ یوم جمعہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۰/اگست ۱۹۸۴ء

تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم

حبیب الامت، عارف باللہ، حضرت مولانا، الحاج، حافظ، قاری، **مفتی حبیب اللہ** صاحب قاسمی دامت برکاتہم چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے اور دے رہے ہیں۔ تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے آج آپ کے ہزاروں فیض یافتہ تلامذہ ہند وبیرون ہند ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کی تعداد درجنوں ہے جن سے دنیا استفادہ کررہی ہے۔ بالخصوص التوسل بسید الرسل، نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین، المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ، اُحب الکلام فی مسئلۃ السلام، جذب القلوب، مبادیات حدیث، احکام یوم الشک، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، تحفۃ السالکین، حضرات صوفیاء اور ان کا نظامِ باطن، تصوف وصوفیاء اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، حبیب العلوم شرح سلم العلوم، التوضیح الضروری شرح القدوری، صدائے بلبل، حبیب الفتاوی، رسائل حبیب، تحقیقات فقہیہ جیسی اہم تصنیفات ہزاروں علماء سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

ان میں خاص طور سے حبیب الفتاوی کی چھ جلدیں اہل افتاء ودارالافتاء کے لئے سند کی حیثیت حاصل کرچکی ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ اساسی ارکان میں سے ہیں، مسلم پرسنل لابورڈ انڈیا کے مدعو خصوصی ہیں، **جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور**، سنجر پور، اعظم گڈھ یوپی، انڈیا کے موسس ومہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کے دارالافتاء والقضاء کے آپ رئیس وصدر ہیں، درجنوں مکاتب کے آپ کفیل وذمہ دار ہیں، **جامعہ حبیب العلوم وجامعۃ الصالحات** حبیب آباد جھٹکاہی ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن بہار کے بانی ومہتمم ہیں، **الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ** کے بانی وصدر ہیں، اور ہندوستان کے دیگر بہت سے اداروں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، دینی، علمی، ملی خدمت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا **محمد زکریا** صاحب نور اللہ مرقدہ سے ہے اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہنے اور اکتساب فیض کا موقع آپ کو دستیاب ہوا ہے، بعد کے اکابرین میں حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا **صدیق احمد** صاحب باندویؒ وحضرت مولانا **عبد الحلیم** صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں رہنے اور فیوض وبرکات کے حاصل کرنے کا ایک طویل زمانہ تک شرف حاصل رہا ہے۔ اور الحمد للہ حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا **عبدالحلیم** صاحب جونپوریؒ سے **اجازت بیعت** بھی

حاصل ہے۔ روحانی اعتبار سے آپ کے فیض یافتہ ہزاروں ہزار افراد ہند و بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔

میدان **خطابت** میں اللہ پاک نے آپ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے، آپ کا خطاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتا ہے، آپ کے خطابات کی مستقل سی ڈی ہند و بیرون ہند میں پائی جاتی ہے۔ اور انٹرنیٹ پر بھی آپ کے خطابات موجود ہیں، جن سے ایک عالَم مستفید ہو رہا ہے۔ (go you tube print Mufti Habibullah qasmi)

الغرض آپ بہت سے خصوصیات کے حامل ہیں، اللہ پاک نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا ہے اللہ پاک ہم سب کو ان کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے علوم و فیوض سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

حبیب الفتاوی

ارباب افتاء واصحابِ علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ

فقہ وفتاوی انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر رضاء الٰہی کا حصول، حدودشرعیہ کی معرفت، حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کی پہچان اور اسلامی معاشرت غیر ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قدم بہ قدم فقہی رہبری اور فتاوی ومسائل کی ضرورت ہر مسلمان محسوس کرتا ہے۔ جس کی تکمیل ہر دور کے اہل علم وارباب افتاء کے ذریعہ ہوتی رہی ہے ''حبیب الفتاوی'' اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کے ممتاز اور مشہور مفتی اور نامور صاحب قلم حضرت حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور حال شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا۔

تلمیذ رشید وخلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحبؒ جونپوری کی جامع تصنیف ہے جن کے قلم سے درجنوں کتابیں نکل کر اصحاب افتاء علماء امت، زعماء ملت سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

''حبیب الفتاوی'' میں جو علمی گہرائی، احکام شریعت سے آگہی، مطالعہ کی وسعت، بالغ نظری، فقہی بصیرت، حوادث الفتاوی کا انطباق، جدید مسائل کا حل پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے، مستند کتابوں کے حوالے اور نظائر کے ساتھ تقریبا تمام ابواب پر عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں مفصل بحث کی گئی ہے، اردو فتاوی میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، ملک کے درجنوں بزرگ ارباب افتاء، ام المدارس کے علماء فقہاء کی تصدیق وتصویب، عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت، دلکش ٹائٹل کے ساتھ ''حبیب الفتاوی'' کی چھ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں جو یقیناً اصحاب افتاء واہل علم واہل مدارس کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا۔

(۲) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

(۳) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب مقام پوسٹ جھکاہی ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن۔

(۴) مکتبہ طیّبہ متصل قاضی مسجد دیوبند

حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا

مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

کی تصنیفات وعلمی خدمات ایک نظر میں

(۱) حبیب الفتاوی جلد اول

(۲) حبیب الفتاوی جلد دوم

(۳) حبیب الفتاوی جلد سوم

(۴) حبیب الفتاوی جلد چہارم

(۵) حبیب الفتاوی جلد پنجم

(۶) حبیب الفتاوی جلد ششم

(۷) تحقیقات فقہیہ جلد اول

(۸) رسائل حبیب جلد اول

(۹) رسائل حبیب جلد دوم

(۱۰) صدائے بلبل (اشرف التقاریر) جلد اول

(۱۱) احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(۱۲) مبادیات حدیث

(۱۳) نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین

(۱۴) التوسل بسید الرسل

(۱۵) المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ

(۱۶) احکام یوم الشک

(۱۷) جذب القلوب

(۱۸) تحفۃ السالکین

(۱۹) نوٹ کی شرعی حیثیت

(۲۰) والدین کا پیغام زوجین کے نام

(۲۱) تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت

(۲۲) حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن

(۲۳) حبیب العلوم شرح سلم العلوم

(۲۴) حضرت حبیب الامت کی علمی، دینی خدمات کی ایک جھلک

(۲۵) قدوۃ السالکین

(۲۶) درود وسلام کا مقبول وظیفہ

(۲۷) التوضیح الضروری شرح القدوری

(۲۸) خطبات حبیب

(۲۹) مقالات حبیب

(۳۰) برکات قرآن

(۳۱) علماء وقائدین کے لئے اعتدل کی ضرورت

(۳۲)مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

(۳۳)جمع الفوائد شرح شرح عقائد

(۳۴)جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا

(۳۵)جمال ہم نشیں

جامعہ کا مختصر تعارف

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا، ضلع اعظم گڈھ کا وہ قابل ذکر وفخر اور معیاری ادارہ ہے، جس کی بنیاد علاقہ کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء میں حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ نے بدست خود رکھی، اور انہی کی جہد مسلسل، سعی پیہم اور مخلصانہ کارکردگی اور محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ چند سال کے قلیل عرصہ میں جامعہ نے تعلیمی وتعمیری اعتبار سے اتنی پیش رفت حاصل کی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور روز افزوں ترقی ہر گوشہ سے دعوت نظارہ دے رہی ہے، اور جامعہ کا ہر چپہ بزبان حال یہ کہہ رہا ہے:

ہر شئی سے یہاں ہوتا ہے عیاں، فیضان علومِ حبیب اللہ
چھایا ہے ہر اک بام ودر پر، لمعانِ نجومِ حبیب اللہ

احاطۂ جامعہ صرف دار العلوم ہی نہیں، بلکہ ایک شہر علم ہے، ظاہری وباطنی، علمی وروحانی اعتبار سے معاصرین پر سبقت حاصل کر چکا ہے۔

یہ دار علوم اسلامی صد رشک ضیاء طور بنا

وسیع رقبہ پر آباد یہ شہر علم مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب بن

چکا ہے، اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت یہاں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں، باطنی وروحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بانی جامعہ کی علمی، روحانی، فکری وذہنی صلاحیتوں کا جلوہ صدرنگ ارتقائی شکل میں ہرطرف عیاں ہے، اس علمی گہوارہ کا اپنی مضبوط کارکردگی، اعلی تعلیم اور اپنے بلندعزائم وحوصلوں میں ایک خصوصی مقام ہے۔

جس کا نمونہ پیش کرنے سے معاصر ادارے تہی دامن ہیں۔

خدمات جامعہ ایک نظر میں

حضرات گرامی قدر قارئین!

۲۵ سال کے قلیل عرصہ میں اس نوزائیدہ علمی وروحانی پودہ نے جس انداز سے تعلیمی وتعمیری، تصنیفی وتالیفی، ظاہری وباطنی اعتبار سے ترقی کے منازل طے کئے ہیں وہ سب مشاہد ومرئی ہیں، یقیناً یہ ادارہ اپنے ارتقائی تناظر میں قابل دید وتقلید ہے، اور یقیناً اس کی ترقیات میں میرے مولائے کریم کے خصوصی فضل وکرم کے بعد اپنے بڑوں کی دعائیں وتوجہات، مخلص رفقاء کار واحباب کی ہمدردیاں، اور خدام جامعہ کی جہد مسلسل وسعی بلیغ کا وافر حصہ پایا جاتا ہے۔

بس دعاء ہے کہ اللہ پاک ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور شجر علم کو مثمر وبار آور بنائے۔

ع......ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین آباد

حضرات قارئین! درج ذیل سطور میں جامعہ کے اہم شعبوں کی اجمالی رپورٹ پیش خدمت ہے تاکہ کارکردگی پر نگاہ محبت پڑ جائے، اور آئندہ کے لئے نیا عزم وحوصلہ آپ حضرات کی حوصلہ افزائی کے طفیل میسر ہوجائے جو مستقبل کے عزائم کے لئے مہمیز کا کام کرسکے۔

(ا) شعبۂ تعلیمات:

تعلیم ہر ادارہ کی اساس اور بنیاد ہوتی ہے ہر ادارہ اپنے اپنے وسائل کے اعتبار سے عمدہ تعلیم وتربیت کا نظم کرتا ہے اور اس کے لئے اچھے اور ماہر اساتذہ کی فراہمی پر نظر رکھتا ہے اور تعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے فکرمند رہتا ہے۔

الحمد للہ اس ادارہ کے ذمہ داروں نے بھی کبھی اس زاویہ سے غفلت نہیں برتی جس کا نتیجہ ہے کہ اس سال الحمد للہ اس ادارہ میں **افتاء** کے ساتھ **تخصص فی الحدیث** کی بھی تعلیم ہورہی ہے اور اس شعبہ میں عام مدارس کے برخلاف پندرہ طلباء زیر تعلیم ہیں، اب تک الحمد اللہ اس ادارہ سے ۲۷ طلباء صحاح ستہ کی سند حاصل کر چکے ہیں اور ۳۰ طلباء شعبۂ افتاء سے فارغ ہو چکے ہیں اور ۳۰ طلباء حدیث مسلسلات سے بھی فیض یاب ہو چکے ہیں جس کی ابتداء ۱۴۳۹ھ سے ہوئی ہے۔

مزید برآں شعبۂ حفظ سے ۴۸۰ طلباء فارغ ہو کر مختلف علاقوں میں خدمت دین میں مصروف ہیں۔

۱۴۳۹ھ سے چھ کمپیوٹر کے ذریعہ کمپیوٹر کی بھی تعلیم کا آغاز ہو چکا ہے جس سے دار الاقامہ میں رہنے والے مقیم طلباء استفادہ کررہے ہیں۔ اسی کے ساتھ کئی سال سے مستقل مکاتب کے قیام کا سلسلہ بھی جاری ہے، اب تک الحمد للہ 10 مکاتب قائم ہو چکے ہیں مرکز اور مکاتب ملا کر 1300 طلباء اور طالبات دینی تعلیم

سے مستفید ہورہے ہیں اور 40 مدرسین وملازمین مصروف خدمت ہیں جن کوحسب صلاحیت مشاہرہ دیا جارہا ہے۔

(۲) شعبۂ تصنیف وتالیف (نشریات):

الحمدللہ شروع ہی سے جامعہ میں تصنیف وتالیف کا بھی ایک مستقل شعبہ رہا ہے جس کے ذریعہ اہم علمی مقالات ومضامین کی ترتیب وتدوین کی خدمت انجام دی جاتی رہی ہے، الحمد للہ اس شعبہ سے آج تک ۳۰ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر مقبول خاص وعام ہوچکی ہیں۔

(۳) شعبۂ کتب خانہ:

الحمدللہ جامعہ کے کتب خانہ میں مختلف علوم وفنون کی درسی وغیر درسی کتابیں معتد بہ مقدار میں شروع سے موجود ہیں، جس سے طلباء واساتذہ مستفید ہوتے رہے ہیں، لیکن اب وسیع وعریض کتب خانہ کی تعمیر کی تکمیل کے بعد کتابوں کی ضرورت دوچند ہوگئی ہے جن کی تحصیل کے لئے ایک کثیر رقم کی ضرورت ہے۔

الحمدللہ فقہ اور حدیث کی اہم کتابوں کا اضافہ ہوا ہے جس سے افتاء اور تخصص فی الحدیث کے طلباء واساتذہ استفادہ کرر ہے ہیں۔

(۴) دارالافتاء والارشاد:

الحمدللہ شروع ہی سے دارالافتاء بھی جامعہ میں قائم ہے اور ہمیشہ اس شعبہ کو

باعتماد وباشعور ارباب افتاء کی خدمات حاصل رہی ہیں، تقریری وتحریری، مقامی وبیرونی سوالات کے تشفی بخش جوابات یہاں سے دیئے جاتے ہیں، اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ادارہ مباحث فقہیہ اور دیگر فقہی اداروں کے سوالات کے جوابات بشکل مقالہ ارسال کئے جاتے ہیں، اور الحمد للہ فقہ وفتاوی کی اہم کتابیں دار الافتاء میں موجود ہیں۔

اور ۲۰۱۵ء سے جامعہ میں **دار القضاء** بھی قائم ہے جس کے تحت دیگر امور کے ساتھ نکاح سرٹیفکٹ بھی دیا جاتا ہے۔

(۵) شعبہ مطبخ:

الحمد للہ شروع ہی سے جملہ شعبوں کے ساتھ مطبخ بھی جامعہ میں قائم ہے، جس کے ذریعہ غریب ونادار اور مستحق اعانت طلباء کے خورد ونوش کا معقول انتظام کیا جاتا ہے، جن کو صبح ناشتہ میں چنا، دوپہر شام میں ہاتھ کی بنی ہوئی روٹی، چاول، سبزی، ہفتہ میں چار مرتبہ گوشت۔

(۶) شعبہ برقیات:

جامعہ میں تعلیمی نظام کی بحالی کی غرض سے ذاتی روشنی کے حصول کے لئے شروع سے ہی جنریٹر کا بھی نظم ہے، جس کو حسب ضرورت استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷) شعبۂ تعمیرات:

الحمد للہ اس قلیل عرصہ میں ہوش ربا گرانی کے باوجود جتنا تعمیری کام ہوا ہے وہ یقیناً قابل تشکر ہے، طویل وعریض دیدہ زیب مسجد اور ۸۰ کمروں کے علاوہ جدید کشادہ کتب خانہ، دار الحدیث، دار الافتاء والارشاد، دار التصنیف والتالیف، دار المطالعہ کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے، اس کے علاوہ غریب علاقوں میں سات مساجد کی تعمیر ہوچکی ہے، جن میں سے چار مساجد چمپارن میں اور ایک مسجد مرادنگر غازی آباد میں اور دو مسجد پورنیہ بہار میں بنی ہے۔

(۸) مکاتب وامور رفاہی:

یہ شعبہ جو کئی سال سے چل رہا تھا کام کی زیادتی کی وجہ سے اس کو الگ کر کے الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے نام سے رجسٹرڈ کرالیا گیا ہے، اور اس کے تحت مکاتب کا قیام، مساجد کی تعمیر، امداد غرباء ومساکین وبیوگان، نظم افطاری وسحری، غریب بچیوں کی شادی، تنخواہ ائمہ ومؤذنین، ریلیف، قربانی، امداد مدارس وتنظیمات، ودیگر امور انجام پذیر ہورہے ہیں اور الحمد للہ یہ شعبہ بھی بحسن وخوبی ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور مذکورہ بالا مدات میں عموماً وہی رقمیں صرف ہوتی ہیں جو انہی مدات کے لئے حضرات مخیّرین کی طرف سے آتی ہیں۔

